فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ؟ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَیِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو، اور برے کام سے رنج و قلق ہو، تو تم مومن ہو۔ (مسند احمد)

فہرست

اِرشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

ترجمہ

حضرت عثمان رضؓ بن عفان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

یہ مجموعہ اوراق کوئی مستقل تصنیف نہیں چند لکچروں (خطبوں) کا مجموعہ ہے۔ جو سیرۃ نبوی قرآن مجید کی روشنی میں، کے عنوان سے جنوری ۱۹۵۸ء (مطابق ۱۳۷۸ھ) کی اخیر تاریخوں میں افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق کرنولی مرحوم و مغفور کی فرمائش پر اور ایک مرحوم خاتون کے قائم کئے ہوئے وقف کے ماتحت مدراس میں نیو کالج کی عمارت میں دئے گئے تھے۔ اور طے یہ تھا کہ انھیں کتابی صورت میں جنوبی ہند کی مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن (مدراس) شائع کرے گی۔

لیکن قضائے الٰہی سے کچھ ہی روز بعد تحریک کے روح رواں ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی وفات ہوگئی اور ان کی وفات سے جہاں اور بیسوں چھوٹے بڑے ملی کاموں کو نقصان پہنچا، وہیں یہ وعدہ بھی ایفا نہ ہو سکا۔ بلکہ انجمن کے کارکنوں نے ان لکچروں کا مسودہ تک واپس نہ فرمایا۔ اور تقاضے کے خطوط بے اثر ہی رہے۔

مجبوراً اور اُس طرف سے مایوس ہو کر طبع و اشاعت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ یہ مجموعۂ اوراق ہرگز ایک مکمل سیرۃ نبوی قرآنی نہیں۔ شروع میں خیال یہ تھا کہ کتابی صورت میں لاتے وقت کامل نظر کر کے دو ایک خطبے (بہ طور باب کتاب) بڑھا دئے جائینگے چنانچہ اختتامیہ میں اس کا نیم وعدہ بھی کر لیا گیا تھا۔

مگر جب نظرِ ثانی کا وقت آیا تو ہجوم کار نے یا ایک نا اہل کی پست ہمتی نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ اور اب خطبے اتنے ہی شائع ہو رہے ہیں جتنے ۱۹۲۶ء میں دئے گئے تھے نظرِ ثانی عبارت پر بھی خاصی کر لی گئی ہے اور جا بجا معنوی اعتبار سے بھی کچھ اضافے کر دئے گئے ہیں اردو میں (بجز مولانا عبد الشکور لکھنوی مرحوم و مغفور کے ایک مختصر سے رسالے کے) اپنی نوعیت میں یہ کتاب پہلی ہے اس کا تکملہ ان شاء اللہ آئندہ کسی خوش نصیب ہی کے نصیب میں آئیگا۔

لکچروں کے دئے جانے کے کوئی ڈھائی تین سال بعد مجھ بے خبر کو ڈاکٹر شیخ محمد عنایت اللہ ایم اے پی ایچ ڈی (لاہور) کی ایک تحریر سے ضمناً یہ خبر ملی کہ مصر میں کئی سال کا عرصہ ہوا کہ ایک قرآنی سیرۃ الرسول شائع ہو چکی ہے۔ اب اس کی تلاش شروع ہوئی اور مہینوں کی سرگرم و مسلسل کوشش کے بعد کہیں جا کر یہ دستیاب ہو سکی، وہ بھی محض جناب مالک رام ایم اے (بیرونی سفارت خانہ ہند) کی توجہ و عنایت سے۔

کتاب مفصل ہے، دو جلدوں میں ہے۔ اور صفحات کی مجموعی تعداد سات سو سے اوپر۔ فاضل مصنف کا نام محمد عزۃ دروزہ ہے، جو مصر کے ایک مشہور اہلِ قلم ہیں۔ ضخامت کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ مصنف نے آیات متعلقہ صرف بہ قدر ضرورت نہیں، بلکہ پوری پوری نقل کر دی ہیں۔ بہرحال یہ کتاب اگر شروع میں مل گئی ہوتی، تو اس سے رہنمائی بہت کچھ حاصل ہو گئی ہوتی۔

زندگی کا اعتبار جوانوں ہی کے لئے کیا ہے۔ چہ جائیکہ ستر سال کی عمر والے کے لئے جو کہنا چاہئے کہ سفر آخرت کے لئے پابہ رکاب ہی ہے۔ تاہم اگر مشیت الٰہی کو منظور ہوا اور مہلت نصیب ہو گئی تو مکی تعلیمات اور مدنی تعلیمات سے متعلق دو بابوں کے اضافہ کا خیال دماغ سے دور نہیں ہوا ہے ــــ باقی خدمتِ دین و علم کی کتنی حسرتیں اور بھی دل میں باقی ہی ہیں۔ ایک نا اہل محض کو خدمت کا اتنا بھی موقع مل گیا یہی بہت غنیمت اور لائق صد شکر ہے۔

عبد الماجد۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

خطبہ (۱)

ظہور کی پیش خبریاں

ظہور مبارک کا واقعہ دنیا کے لئے بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر نہیں پیش آگیا اہل کتاب یعنی یہود اور نصرانی دونوں ایک موعود کے انتظار میں صدیوں سے چلے آرہے تھے۔ اور قرآن مجید نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے تو اس ظہور مبارک کے لئے دعا صراحت سے نقل کی ہے۔ یہ دعا تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نہ تھی۔ ایک مبارک وقت میں ایک مبارک جگہ دو مقدس بندوں کی زبان سے مل کر نکلی تھی۔ اور اس میں ابراہیمؑ کے شریک اُن کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ بھی تھے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ۔ (البقرة۔ ع ۱۵)	اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم اٹھا رہے تھے دیواریں خانۂ کعبہ کی اور (اُن کے ساتھ اسمٰعیل بھی۔

مقام اتنا مقدس کہ خانۂ کعبہ کا فرش۔ وقت اتنا مبارک، کہ عین تعمیر خانۂ کعبہ کا زمانہ۔ اور دعا کرنے والے۔ اللہ کے دو دو مقبول ترین اور انتہائی برگزیدہ بندے دعا سب سے پہلے اسی کی کہ ہماری یہ خدمت قبول ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار۔ ہم سے ہماری یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو تو خوب سننے والا۔ تو سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض حال میں پہلی گذارش تو یہ تھی کہ ہمیں اور زیادہ توفیق طاعت و اطاعت ملے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار۔ ہمیں اپنا پورا پورا فرمانبردار بنالے۔

اور پھر مَعًا بعد یہ آرزو کہ ہماری نسل سے ایک امت مُسلمہ ایک فرمانبردار قوم پیدا کر

وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ۔ (ایضاً)

اور ہماری نسل سے ایک اُمت بھی پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو۔

خیال کر کے سنئے کہ قید ہماری نسل کی لگائی جارہی ہے۔ یعنی وہ نسل ابراہیمیؑ جو حضرت اسمٰعیلؑ کے واسطہ سے ہو۔ قید لگ جانے سے بنی اسحٰقؑ سب نکل گئے اور اُمت مسلمہ بنی اسمٰعیل میں محدود ہو گئی۔ یہ تو ہوئی اُمت۔ اور اس کا رسول کون اور کیسا ہو؟ سماعت فرمایئے :-

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار انہیں لوگوں یعنی بنی اسمٰعیل کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے۔ اور انہیں کتاب (الٰہی) اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کی اصلاح نفس کرے۔ بیشک غالب اور حکمت والا تو ہی ہے۔

اور پھر اپنے وقت پر جب یہ رسول ظاہر ہو چکا۔ تو اس کا وصف اس کے دوسرے اوصاف کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیا۔ کہ اس کا ظہور مکہ والوں کے درمیان ہوا،

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

(الجمعہ۔ ع ۱)

وہ اللہ وہی ہے جس نے ام القریٰ کے رہنے والوں کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول کھڑا کر دیا۔ جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کی اصلاح نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب (الٰہی) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی دعاؤں کا ذکر ہو چکا۔ قرآن مجید سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ اس ظہور اقدس و مطہر کی پیش خبریاں اگلے آسمانی صحیفوں میں آ چکی ہیں۔ یہ ذکر قرآن نے کہیں تو ضمناً اور بالواسطہ کیا ہے۔ یعنی صرف کتاب کا ذکر کر کے اشارۃً کتاب لانے والے کی طرف بھی کر دیا ہے مثلاً

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ

(الشعراء۔ ع ۱۱)

اس کا ذکر یا اس کی خبر اگلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔

اور کہیں یہ ذکر براہ راست اور مستقلاً کیا ہے۔ اور ایسے موقع پر رسولؐ کے اوصاف امتیازی خصوصی کو بھی گِنا دیا ہے۔ مثلاً

اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

جو لوگ پیروی کرتے ہیں۔ اس اُمّی رسول و نبی کی جس کو (یعنی جس کے وصف کو) وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں توریت اور انجیل میں وہ حکم دیتا ہے انہیں نیک کرداری کا اور روکتا

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔

(الاعراف ع ۱۹)

انھیں بدکرداری سے اور پاکیزہ چیزیں اُن کے لئے جائز بتاتا ہے اور گندی چیزیں اُن پہ حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں جو اب تک تھیں، اتارتا ہے ۔

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ یعنی اُن رسول کے اوصاف و علامات یہ اہل کتاب اپنے ہاں توریت و انجیل میں درج پاتے ہیں۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ علانیہ کر دیا۔ اور معاصر اہل کتاب میں سے کسی کو اس سے انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ ورنہ جہاں اور الزامات سرورِ کائنات اور آپ کی وحی پر رکھ رہے تھے۔ وہاں آپ کے اس الزام کا بھی اضافہ کر دیتے کہ توریت و انجیل میں کہاں ایسے رسولؐ کے ظہور کا پتہ نشان ملتا ہے؟

توریت میں جتنے تصرفات و تحریفات اب تک ہو چکے ہیں۔ اُن کے بعد یہ دعویٰ خود اہل توریت کا بھی باقی نہیں رہا ہے کہ یہ کتاب وحی لفظی کا نمونہ ہے۔ لیکن اتنی تصحیفات و تحریف کے بعد بھی کچھ تو حوالے اس میں اب بھی باقی رہ گئے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسرائیلیوں کو خطاب کر کے:۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو" (استثناء ۱۸۔ ۱۵)

"تیرے ہی بھائی" یعنی اسرائیل کے بھائی، سو انہی اسمٰعیل کے اور کون ہو سکتے ہیں؟ پھر ان اسمٰعیلیوں میں ایسا نبی جو "میری ہی مانند" یعنی مشابہت حضرت موسیٰ سے رکھنے والا ہو، بجز ہمارے نبی کریم صلعم کے اور کون ہوا ہے؟

اور پھر توریت کے اس صحیفہ استثناء کی اسی فصل میں دو ہی تین آیتوں کے بعد ہے:

"اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کیا۔ اچھا کیا۔ میں اُن کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" (ایضاً ۱۸)

اسرائیل کے بھائیوں یعنی اسمٰعیلیوں کا ذکر اس آیت میں بھی۔ اور "تجھ سا" یعنی موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھنے والے کی تعیین بیان بھی۔ اور پھر آخری فقرہ کی تصریح کہ "اپنا کلام اُن کے منہ میں ڈالوں گا" صاف اس کا مرادف کہ اس کا پیام وحی لفظی کا مجموعہ ہوگا اور یہ وحی لفظی کا دعویٰ بجز قرآن مجید کے روئے زمین پر آج کس کتاب اور کس پیام کے لئے ہے؟

توریت کے بعد اب انجیل پر آئیے۔ اس میں "ترجمہ اور ترجمہ در ترجمہ کی بنا پر حک و اصلاح ترمیم اور تبدیلی کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور وہ بھی چرا کر چھپا کر نہیں۔ بلکہ علانیہ و فخریہ۔ لیکن اس سارے کاروبار کے باوجود اس میں بھی یہ لفظ آج تک لکھے چلے آرہے ہیں۔ یہ حضرت مسیح اسرائیلیوں سے فرما رہے ہیں:۔

یسوع نے اُن سے کہا۔ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی۔ اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے۔ دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا۔ اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا" (متی ۲۱: ۴۲-۴۴)

"کتاب مقدس کا" جو فقرہ یہاں نقل ہوا ہے اور انجیل مرقس ۱۲: ۱۰-۱۱ اور

انجیل لوقا ۲۰: ۱۸ میں بھی در در اصل داؤد نبی کی کتاب زبور کا ۱۱۸: ۲۲-۲۲۱ کا ہے۔ معماروں یعنی اسرائیلیوں نے جس پتھر کو ہمیشہ رد کیا تھا وہ اسمٰعیلی ہی تھے۔ کونے کے سرے کا جو پتھر ہوا۔ یعنی نبوت جس کو سب سے آخر زمانہ میں ملی وہ بنی اسمٰعیل ہی کا ایک فرد تھا اور یہود و نصرانی جو بھی اس سے ٹکرائے۔ وہ پاش پاش ہو کر رہ گئے پاپس ہو کر رہ گئے۔

توریت اور انجیل میں حوالے اور بھی ملتے ہیں۔ اُن سب کی یہاں سماعت فرمانے کے بجائے انھیں تفسیر ماجدی میں ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائی جائے۔ قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کی زبان سے ایک اور پیش خبری کا حوالہ صراحت کے ساتھ دیا ہے۔ اس لیے اسے تو بہرحال سنتے چلیے۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔

(الصف ع ۱)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اسرائیلیو! میں تمھارے پاس اللہ کا پیمبر آیا ہوں۔ تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے۔ اور بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں۔ جن کا نام احمدؐ ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے تو یہ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

قرآن مجید نے مسیح کے جس قول کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وہ موجودہ محرف انجیل سے بھی تمام تر محو نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کے حوالے ایک نہیں تین تین جگہ آج تک موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع)

بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (یوحنا، ۱۴: ۱۶)

"جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے" میں صاف اشارہ موجود ہے کہ اس کی شریعت دائمی ہوگی۔ دوسری جگہ ہے:۔

"جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا، ۱۵: ۲۶)

اور تیسری مرتبہ:۔

اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا ۱۶: ۷، ۸)

یہ عبارتیں جو پڑھ کر سنائی گئیں۔ اردو بائبل کی تھیں اور بائبل کے اردو مترجمین نے متن میں لفظ "مددگار" اور حاشیہ پر اس کے نسخے "وکیل" اور "شفیع" دئے ہیں۔ اور انگریزی بائبل میں جو پروٹسٹنٹ فرقہ کی ترجمان ہے اس کے لئے لفظ Comforter آیا ہے یعنی تسلی دہندہ، اور جو انگریزی بائبل عقیدۂ کیتھولک کے مطابق ہے اس میں ان موقعوں پر لفظ Paraclete درج ہے ہمارے یہاں کے فاضلوں کا بیان ہے کہ جس یونانی لفظ کے ترجمہ میں مسیحی فاضل اس درجہ مضطرب ہیں اور کبھی اس کے لئے "مددگار" لاتے ہیں۔ کبھی "وکیل" کبھی "شفیع" کبھی "تسلی دہندہ" اور کبھی Paraclete وہ اصل میں Periclytos ہے جو صحیح ترجمہ لفظ احمد (بہ معنی محمود و ستودہ) کا ہے۔

غرض یہ کہ جو توحیدی قومیں آغاز اسلام کے وقت دنیا میں موجود تھیں۔ اور جو سلسلۂ وحی و نبوت کی قائل تھیں۔ اُن کے مقدس نوشتوں میں پیشخبریاں شروع ہی سے ایک اسمٰعیلی نبی کی چلی آ رہی تھیں۔ جس کی شریعت دائمی ہوگی۔ یعنی وہ سلسلۂ انبیاء کا خاتم بھی ہوگا۔

خطبہ (۲)

نام، نسب، وطن، زمانہ

نام اسم مبارک محمدؐ تھا۔ اور قرآن مجید میں اس کی صراحت چار جگہ آئی ہے۔ ایک جگہ تو صرف نام اور منصب کا ذکر ہے۔

محمد رسول اللہ (الفتح ع ۴) محمد اللہ کے رسول ہیں۔

دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ قرآن جو سرتا سر حق ہے۔ نازل انھیں محمدؐ پر ہوا ہے،

والذین آمنوا وعملوا الصالحات اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے

وآمنوا بما نزل علیٰ محمد وھو الحق من اور اس (کلام) پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل ہوا

ربھم۔ (محمد۔ ع ۱) اور وہ بر حق ہے انکے پروردگار کی طرف سے۔

تیسری جگہ اس حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے کہ محمدؐ اللہ کے قاصد یا رسول ہی ہیں جیسا کہ آپ کے قبل اور بھی رسول آچکے ہیں۔ کوئی دیوتا یا اوتار یا فوق البشر ہستی نہیں۔

وما محمد الا رسول قد خلت اور محمدؐ تو بس رسول ہیں۔ ان سے قبل

من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵) اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔

اور اسی آیت میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں۔

افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم

تو اگر ان کی وفات ہو جائے یا انھیں ہلاک کر دیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے۔

اور یہیں سے ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ بلکہ ہر بشر کی طرح آپؐ بھی فانی تھے اور آپؐ پر طبعی وفات کے طاری ہونے یا کسی کے ہاتھ سے ہلاک ہونے، دونوں کا احتمال تھا۔

چوتھی آیت نے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ اس کی بھی خبر دے دی، کہ آپؐ کی اولاد ذکور میں سے کوئی زندہ نہ رہے گا۔ صاحبزادیوں کی گنجائش البتہ ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم (الاحزاب ع ۴)

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں۔

اسم محمدؐ کی اس چار گانہ تصریح کے ساتھ قرآن مجید میں دوسرا نام احمد ملتا ہے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے پیش خبری کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف ع ۱)

اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اولاد اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے اور بشارت سنانے والا اس رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں۔ انکا نام احمد ہو گا

حضرت مسیحؑ کی جو انجیل حواری برنابا کی جانب منسوب ہے۔ اس میں تو یہ پیش خبری

تک بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ باقی جو انجیلیں خود مسیحیوں کو مقبول و مسلم ہیں، ان میں سے انجیل یوحنا میں عبارتیں اس قسم کی لکھی ہوئی چلی آتی ہیں :۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (۔یوحنا ۱۴: ۱۶)

"جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے، تو وہ میری گواہی دے گا۔" (۔یوحنا ۱۵: ۲۶)

اتنا تو ان میں سے پہلے قول سے ظاہر ہی ہوگیا، کہ جو آنے والا حضرت مسیحؑ کے بعد آئے گا، وہ خاتم نبوت ہوگا۔ اور اس کی شریعت قیامت تک قائم رہے گی۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ آنے والا کون ہوگا؟ حضرت مسیح کی زبان مبارک سے نکلا ہوا اصل سریانی لفظ تو اب کہیں دنیائے معلوم میں محفوظ نہیں۔ اب تو دارو مدار آپ کے سریانی کلام کے صرف یونانی ترجمہ پر ہے۔ تو اس یونانی ترجمہ کا ترجمہ دوسری زبانوں میں اہل انجیل کہیں تسلی دہندہ Comforter سے کرتے ہیں اور کہیں مددگار Helper سے اور کہیں وکیل سے اور کہیں شفیع سے

اور اس اضطراب کے مقابلہ میں ہمارے ہاں کے فاضلوں کا بیان جزم کے ساتھ یہ ہے کہ وہ یونانی لفظ Pericylets تھا اسکا صحیح مفہوم احمد ہی سے ادا ہوتا ہے اور اس لئے قرآن مجید نے یہ نام حضرت مسیحؑ کی زبان سے ادا کردیا ہے اسم ذاتی بعد محمدؐ کے نبی احمد آیا ہے۔ ان دو کے علاوہ اسماء صفاتی قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً

نذیر۔ بشیر۔ منذر۔ مبشر۔ شاہد۔ داعی الی اللہ۔ سراج منیر۔ مزمل۔ مدثر۔ النبی الامی
مذکر۔ رحمۃ اللعالمین۔ خاتم النبین۔

اب چند در چند آیات قرآنی بلا لحاظ ترتیب سن لیجئے۔ جن میں یہ اسماء توصیفی
وارد ہوئے ہیں۔

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم (المزمل۔ ع ۱) بیشک ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول تم پر شاہد (بنا کر)

اسم شاہد کی شہادت اس آیت نے پیش کر دی اور اور شہادتیں بھی ابھی سماعت فرمائیے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

انا ارسلناك شاھداً و مبشراً ونذیراً (الفتح ع ۱) بیشک ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

کہیں کہیں اس سے بھی زیادہ اسماء صفاتی اکٹھے بیان ہوئے ہیں مثلاً

یا ایھا النبی انا ارسلناك شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللّٰہ باذنہ وسراجاً منیراً (الاحزاب ع ۶) اے نبی بیشک ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد مبشر اور نذیر بنا کر اور اللہ کی طرف داعی اس کے اذن سے۔ اور ایک روشن چراغ۔

اور منذر اور نذیر کی تکرار تو کثرت سے آئی ہے۔ کبھی الگ الگ اور کبھی دوسرے اسماء صفات کے ساتھ مل جل کر۔ اسم منذر کو لیجئے۔

انما انت منذر ولکل قوم ھاد۔ (ھود۔ ع ۱) آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک رہبر (رکھا گیا) ہے۔

بل عجبوا ان جاءھم منذر ان لوگوں کو اس پر اچنبھا ہو کہ ان کے پاس

مِنھُم۔ (ق۔ع ۱) ایک ڈرانے والا انھیں میں سے آگیا۔

انما انت منذر من یخشاھا (النازعات ع ۲) آپ تو بس ڈرانے والے ہیں اسے جو دوزخ سے خوف رکھتا ہے۔

اب نذیر والی آیتیں سنئے۔ علاوہ ان دو آیتوں کے جو ابھی آپ سن چکے ہیں

انا ارسلناک بالحق بشیرًا ونذیرًا (البقرہ ع ۱۴) بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

اور اسی کے علاوہ سورۃ الفاطر ع ۲ کی ایک آیت میں بھی یہ آیا ہے۔ کہیں کہیں یہی مضمون صیغۂ حصر کے ساتھ وارد ہوا۔

ومآ ارسلناک الا مبشرا و نذیرًا (بنی اسرائیل ع ۱۲) اور ہم نے آپ کو تمام تر ایک خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور یہی الفاظ سورہ الفرقان ع ۲ کی ایک آیت میں وارد ہوئے ہیں۔

اسی طرح ایک جگہ اور ہے۔

انما انت نذیر (ہود۔ ع ۲) آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں۔

پھر ایک جگہ اور صیغۂ غائب میں۔

ان ھو الا نذیر مبین (الاعراف۔ ع ۱۳) یہ تو تمام تر ایک کھلے ہوئے ڈرانے والے ہیں۔

ایک جگہ اہل کتاب سے خطاب خصوصی میں ارشاد ہوا ہے۔

یااہل الکتاب قد جاءکم رسولنا اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول

یبین لکم علی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر فقد جاءکم بشیر ونذیر (المائدہ ع ۳)

آ پہنچے ہیں جو تم سے کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے وقت میں جب رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آئے۔ سو تمہارے پاس تو بشیر و نذیر آ گیا۔

کہیں کہیں یہ لفظ صیغۂ متکلم میں خود رسول کریم کی زبان سے ادا کر دیئے گئے ہیں۔

ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون۔ (الاعراف ع ۲۳)

میں تو محض ایک بشیر و نذیر ہوں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

قل انی انا النذیر المبین (الحجر ع ۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایک کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اننی لکم منہ نذیر و بشیر (ہود ع ۱)

بیشک میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے نذیر و بشیر ہوں۔

اور سورہ والذاریات ع ۳ میں پاس ہی پاس دو جگہ ان الفاظ کو رسول کریم کی زبان سے دہرایا گیا ہے۔

اور کہیں ان صفات کے ساتھ مخاطبین کے دائرہ میں ساری دنیا کو لے آیا گیا ہے۔

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا (سبا ع ۳)

اور ہم نے تو بس آپ کو بشیر و نذیر بنا کر سارے ہی انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔

نذیر کا لفظ اتنے موقعوں کے علاوہ بھی دو ایک جگہ آنحضورؐ کے لئے آیا ہے۔ لیکن وہاں دلالت اتنی صریح و واضح نہیں۔

ابھی ابھی آپ نے سنا کہ حضورؐ کی بعثت کافۃ للناس تھی۔ یعنی ساری نسل انسانی کے لیے اور ملک عرب کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں۔ اس عموم بعثت کی تائید تقویت سورۃ الفرقان کی بھی ایک آیت سے ہوتی ہے۔ جہاں فرمایا گیا ہے کہ فرقان اس بندۂ خاص پر اس لئے نازل کیا گیا کہ

لیکون للعالمین نذیرًا — تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے سارے عالم کا ڈرانے والا ہو۔

(الفرقان ع ۱)

اسم شاھد کے کئی اطلاق ذات نبوی کے لئے چند منٹ قبل آپ کی سماعت میں آچکے ہیں۔ اور شاھد کے معنی عام طور پر گواہ سمجھے گئے ہیں۔ لیکن اس لفظ کا استعمال محاورہ عرب میں غائب کے مقابل کی حیثیت سے بھی برابر ہوتا ہے۔ اس لئے بیجا نہ ہوگا اگر 'شاہد' کو حاضر کے مرادف سمجھا جائے اور کم سے کم دو آیتیں قرآن مجید میں اور ایسی ہیں۔ جہاں 'شاہد' سے اشارہ رسول اللہ صلعم ہی کی جانب بعض اکابر تفسیر نے خیال کیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت سورہ ہود کے رکوع ۲ میں ہے۔

ویتلوہ شاھد منہ — اور قرآن کے ساتھ اس میں ایک گواہ بھی ہے

اور دوسری سورہ البروج کے شروع میں ہے۔

وشاھد ومشھود — اور شاہد اور مشہود۔

اس دوسری آیت میں اشارہ ذات نبوی کی طرف ایک قول کے مطابق شاھد سے ہے، اور دوسرے قول کے مطابق مشھود سے۔

یہ سارے نام ایسے ہوئے، جو صراحۃً یا دلالۃً رسولؐ کی مستقل صفات سے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ دو جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ رسولؐ پر کوئی وقتی کیفیت

طاری ہوئی اور قرآن نے بس اسی وقتی صفت سے آپ کو مخاطب کر دیا۔ چنانچہ نزول وحی کے ابتدائی زمانے میں جب برادری والوں نے شرارت سے انکار و استہزا آپ کے دعویٰ نبوت پر شروع کیا، تو ایک روز آپؐ ان حالات سے متاثر و ملول خاطر، چادر میں لپٹے ہوئے لیٹے تھے۔ تو قرآن نے ٹھیک اسی ہئیت کے ساتھ آپؐ کو مخاطب کیا۔ اور کہا۔

یا ایھا المزمل (المزمل ع ۱) اے چادر میں لپٹنے والے۔

اور پھر اسی طرح جب کچھ روز بعد وحی کے تسلسل میں وقفہ پڑ گیا۔ اور آپ فکرمند اوڑھے لپیٹے ہوئے لیٹے تھے۔ تو قرآن مجید نے آپ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا

یا ایھا المدثر (المدثر ع ۱) اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔

یہ سارے اسماء صفاتی تو وہ ہوئے جن میں سے ہر ایک بجنسہٖ قرآن مجید میں آچکا ہے۔ باقی کچھ اور نام بھی ہیں۔ جو براہ راست تو وارد نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی عبارتوں سے ماخوذ و مستنبط کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً۔ مصطفیٰ۔ مجتبیٰ۔ مطاع۔ صادق۔ امین۔ مبلغ۔ معلم۔ مزکی۔ مرسل وغیرہا اور ان سب کے علاوہ دو اسماء۔ ایک النبی اور ایک الرسول کا اطلاق تو اس کثرت سے حضرت کی ذات پر ہوا ہے کہ اس کا احاطہ کرنا بھی آسان نہیں۔ اسی سلسلے میں ایک اور لفظ کا ذکر ضروری ہے۔ جو اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے تو عام ہے لیکن رسول اللہؐ کی تکریم و تشریف خصوصی کے موقع پر اس تکرار سے آیا ہے کہ اگر اسے آپؐ کا ایک لقب خصوصی قرار دیا جائے تو کچھ بیجا نہیں۔ وہ لفظ ہے "عبد" خصوصیت و یگانگت کے موقع پر آپ کی جانب اشارہ

اسی کلمہ سے کیا گیا اور نمایاں آپؐ کے وصف عبدیت کو کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے شروع ہی میں۔ جہاں منکروں اور معاندوں سے تحدی کے ساتھ کہا ہے کہ اگر سارا قرآن نہیں بنا سکتے ہو، تو ایک سورت ہی اس کی سی پیش کر دکھاؤ وہاں بجائے رسول یا نبی کے کام اسی لفظ "عبد" سے لیا گیا ہے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا	اور اگر تمھیں اس کلام کے باب میں کچھ شک
علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہٖ	ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے۔ تو
(البقرۃ ع ۳)	اس کی سی ایک سورۃ تم خود بنا لاؤ۔

اسی طرح جہاں مسجد اقصیٰ کے سفر معراج کا ذکر ہے۔ وہاں بھی یہی لفظ آیا ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ	پاک ہے وہ ذات جو راتی رات لے گئی
لیلاً من المسجد الحرام الی	اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک
المسجد الاقصیٰ (بنی اسرائیل ع ۱)	

اسی طرح جہاں سیر آسمانی سے سرفرازی و تقرب خصوصی کا ذکر ہے وہاں بھی تصرف اسی لفظ کا ہوا ہے۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ	پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندہ پر جو کچھ کہ
(النجم ع ۱)	وحی کی۔

ایک جگہ یہ مذکور ہے، کہ کافر معاند عبد کامل کی نماز و عبادت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ وہاں ارشاد ہوا ہے۔

أرأیت الذی ینھیٰ عبداً	تو نے اس شخص کے حال پر نظر کی جو روکتا ہے
اذا صلی۔ (علق)	جب بندہ نماز پڑھتا ہے۔

اور ایک جگہ ایسے ہی موقع پر بجائے محض عبد کے لفظاً عبداللہ آیا ہے۔
سیاق یہ ہے کہ رسول جب عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو مشرکین معاندین
آپ پر ہجوم کرکے چڑھ آتے ہیں۔ تو وہاں کام اسی اسم توصیفی عبداللہ سے لیا گیا ہے

وانه لما قام عبد الله یدعوہ — اور جب اللہ کا بندہ (خاص) کھڑا ہوتا ہے
کادوا یکونون علیه لبداً — کہ اس کی عبادت کرے تو یہ لوگ اس پر ہجوم
(الجن ع ۱) — کر آنے کو ہوتے ہیں۔

نزول قرآن کی عظیم ترین نعمت کے سیاق میں ذکر بار بار عبد یعنی اسی عبد کامل
کا آتا ہے۔ تحدی والی آیات ابھی آپ سن چکے۔ اب تین آیتیں اور اس سلسلہ
کی سماعت میں لائی جائیں۔ پہلی آیت۔

الحمد للہ الذی انزل علیٰ — ساری تعریف ہے اس اللہ کے لئے جس نے
عبدہ الکتاب (الکہف۔ ع ۱) — کتاب اپنے بندہ پر اُتاری۔

دوسری آیت۔

تبارک الذی نزل الفرقان — بابرکت ہے وہ ذات جس نے فرقان اپنے
علیٰ عبدہٖ (الفرقان۔ ع ۱) — بندہ پر نازل فرمایا۔

اور تیسری آیت۔

ھو الذی ینزل علیٰ عبدہ — وہ اللہ وہی ہے جو صاف صاف آیتیں اُتارتا
آیات بینات لیخرجکم من الظلمات — ہے اپنے بندہ پر تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے
الی النور (الحدید ع ۱) — نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

کہیں اس "نزول" کا اطلاق بجائے کلام کے فتح غیبی و نصرت خصوصی پر ہوا ہے

اور وہاں بھی مذکور عبدہ ہی کا ہے۔ مثلاً

وان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان۔ (الانفال۔ ع ۵)

اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے فیصلہ کے دن اپنے بندہ پر اتاری۔

اور کہیں یہ اطمینان دلایا ہے کہ یہ عبد براہ راست اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں ہے۔

الیس اللہ بکاف عبدہ (زمر۔ ع ۴)

کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندہ کی حفاظت کے لئے؟

اسماء صفاتی میں سے دو ایسے بھی ہیں، جو ایک طرف تو کھلے ہوئے [illegible] کے لئے استعمال ہوئے۔ اور دوسری طرف وہ اسماء حسنیٰ باری تعالیٰ بھی [illegible] ہیں۔ وہ لفظ ہیں رؤف اور رحیم۔ صیغۂ معرفہ میں ال کے اضافہ کے ساتھ تو یہ الرؤف والرحیم اسماء الٰہی میں ہیں۔ لیکن نکرہ میں، بغیر ال کے رسول کے اسماء صفاتی میں لائے گئے ہیں۔ سورۃ البرأۃ کے ختم پر رسول [illegible] ذکر صریح کے بعد آتا ہے۔

حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم (التوبۃ ع)

تمہارے لئے حریص ہیں۔ مومنوں کے حق میں بڑے شفقت اور رحم والے ہیں۔

ایک اور اسم وصفی مذکر ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

فذکر انما انت مذکر (غاشیہ)

آپ انہیں یاد دلاتے رہئے۔ اور آپ تو بس ہیں ہی یاد دلانے والے۔

یہ اسم مصیطر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ اور مصیطر کے معنی ہیں متسلط۔ یا نذیر احمدی زبان میں داروغہ کے۔

دو وصف قرآن مجید نے اور آپ کے ایسے بیان کئے ہیں۔ جن سے دو اسماء توصیفی پیدا ہو گئے۔ ایک کا تعلق وصف رحمت عالم سے ہے۔

وما ارسلناك إلا رحمة للعالمين (الانبیاء ع ۷) — اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر سب جہانوں کے حق میں۔

اور دوسرا وصف ختم نبوت کا ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب ع ۵) — محمد تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر

دو لفظ قرآن مجید میں اور بھی آئے ہیں۔ ایک نور دوسرے برہان۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان کا تعلق اوصاف قرآن ہی سے ہے۔ چنانچہ ایک یہ ہے۔

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین (المائدہ ع ۲) — بے شک اللہ کے ہاں سے تمہارے پاس آچکا ہے نور اور کتاب واضح۔

اور دوسری آیت ہے۔

یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم (النساء ع ۲۴) — اے لوگو تمہارے پاس برہان پہنچ چکی ہے تمہارے پروردگار کے پاس سے۔

لیکن مفسرین کا ایک گروہ ادھر بھی گیا ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد ذات نبوی ہے۔ گویا دلالت ہے تو بھی مگر بہت خفی قسم کی۔

اور اس لفظ "برہان" سے ملتا ہوا ایک اور لفظ "بینۃ" بھی آپ کی شان میں آگیا ہے۔ مثلاً اس آیت میں۔

حتی تاتیھم البینۃ (بینہ) — جب تک کہ ایک واضح دلیل ان کے پاس نہ آگئی۔

نسب — نام نامی اور اسماء توصیفی پر گفتگو ہو چکی۔ ہر سیرت میں نام کے بعد ہی نسب کا عنوان جلی ہوتا ہے۔

پہلی روشنی نسب مبارک کے سلسلہ میں قرآن مجید سے یہ پڑتی ہے کہ آپ یتیم تھے۔

الم یجدک یتیماً فاوی (الضحیٰ) — کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا۔ پھر اس نے (آپ کو) ٹھکانا دیا۔

یتیم اس کو کہتے ہیں۔ جس کے باپ کا انتقال اس کے بلوغ سے قبل ہی ہو جائے اور قبل بلوغ شامل ہے۔ قبل ولادت کو اور تاریخ کا بیان ہے کہ آپ کے والد ماجد کی وفات آپ کی پیدائش سے بھی قبل ہو گئی تھی۔

پھر قرآن ہی کے لفظ فاوی سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یتیمی کے باعث آپ بے گھر ہو گئے تھے (اور عرب جاہلیت میں یوں بھی یتیم کی زندگی ہمہ وقتی کوفت ہی کی زندگی ہوتی تھی) لیکن حکمت الٰہی نے دوسرے انتظامات آپ کی ولایت و ربوبیت کے کر دئے تھے۔ جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے پہلے دادا عبدالمطلب اور پھر چچا ابوطالب کے ذریعہ سے۔

آپ کا نسل ابراہیمی سے ہونا قرآن مجید سے ظاہر ہے۔ بلکہ آپ تو ثمرہ

ہی تھے۔ عین دعائے ابراہیمی کا۔

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لك	لے ہمارے پروردگار ہماری اولاد میں سے
....ربنا وابعث فیھم رسولاً	ایک ایسی اُمت پیدا کردے جو تیری فرمانبردار ہو
منھم یتلوا علیھم آیاتك ویعلمھم	.... اور لے ہمارے پروردگار اس اُمت کے
الکتاب والحکمۃ ویزکیھم۔	اندر انہیں میں سے ایک پیمبر بھی پیدا کردے جو
(البقرہ ع ۱۵)	ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ان کو
	کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہو اور ان کو پاک کرتا رہے

اور جس موقع کی یہ دعا ہے وہاں، قرآن ہی کے حسب تصراحت حضرت اسمٰعیل بھی حضرت ابراہیم کے شریک تھے واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل۔ اس لئے ظاہر ہوگیا کہ آپ نسل ابراہیمی کی شاخ اسمٰعیلی سے تھے کسی اور شاخ سے نہیں۔

یہ آیتیں تو نسب کے باب میں صریح ہیں۔ اور ان سے جو استنباط ہو سکتا ہے وہ بھی لازمی طور پر صحیح ہی ہے۔ باقی قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے اپنی معروف کتاب الشفا فی حقوق المصطفٰے میں دو اور آیتوں، اور ان سے اس سلسلہ میں استدلال کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک سورۃ التوبہ کے ختم کی آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم ہے اس کی ایک قرأت بجائے انفسکم (ضمۂ فاء کے) انفَسکم (فتح الفاء) سے ہے تو اس سے استدلال یہ ہوا کہ آپ کا ظہور نفیس ترین یا شریف ترین انسانوں میں ہوا ہے۔ دوسری آیت سورۃ الشعراء کے آخری رکوع کی ہے الذی یراك حین تقوم وتقلبك

فی الساجدین۔ اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے۔ کہ اللہ نے آپ کو عبادت گزاروں یا پارساؤں ہی کے صلبوں پشتوں سے نکالا ہے اور اس طرح یہ دو آیتیں بھی تھوڑے سے تکلف کے بعد۔ بعض اہل علم کے مذاق کے مطابق آپ کی شرافت نسب اور دالا ددمانی پر گواہ بنائی جا سکتی ہیں۔

وطن جس سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسمٰعیل کو لا بسایا تھا وہ اس وقت تک خشک و بے آب و گیاہ تھی بیت اللہ کے پڑوس میں۔ اور حضرت کی دعا یہ تھی کہ دینداری اور خدا پرستی کے چرچے کے علاوہ اس بستی والوں کو میوے یا پھل بھی بہم پہونچتے رہیں۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی	اے ہمارے پروردگار میں نے بسا دیا اپنی
بواد غیر ذی زرع عند بیتک	بعض اولاد کو ایک بے کھیتی والے دامن کوہ
المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ	میں تیرے محترم گھر کے قریب ہی اے ہمارے
فاجعل افئدۃ من الناس تھوی	پروردگار تاکہ وہ قائم کریں نماز کو پس تو
الیھم وارزقھم من الثمرات	کچھ لوگوں کے دل اُنکی طرف لگادے اور ان کو
لعلھم یشکرون (ابراہیم ع ۱)	پھلوں کا رزق دے تاکہ وہ لوگ شکر گزار ہوں

اسی شہر سے متعلق حضرت ابراہیم کی دعا ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

رب اجعل ھذا البلد آمناً	اے میرے پروردگار اس کو بنادے ایک شہر
وارزق اھلہ من الثمرات	امن والا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں
(البقرۃ ع ۱۵)	میں سے بھی عنایت کر۔

رسول اللہ کی پیدائش اسی بستی میں ہوئی۔ جو خشک و بے گیاہ حضرت ابراہیم ؑ کے زمانے میں نہیں۔ صدیوں بعد تک رہی۔ لیکن اس کے باوجود شاید اسی دعائے ابراہیمی کی برکت سے میووں اور پھلوں سے محروم پہلے بھی نہ رہی، اور اب تو ایک حد تک خود ہی شاداب و گلزار بن گئی ہے۔ رہی اس شہر کی مامونیت یا اس کا پرامن ہونا۔ تو اس کی حرمت تو اہل جاہلیت کو بھی ملحوظ رہی ہے اور شریعت اسلامی نے اس شہر کو حرم قرار دیکر اس کے اندر جانوروں کا شکار تک ممنوع کر دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس کے اس پہلو کو نمایاں کرکے اسے البلد الامین اور البلدالحرام جیسے القاب سے بار بار یاد کیا ہے۔

شہر کا قدیم نام بکہ ہے اور خدائے پاک کی پہلی پرستش گاہ ہونے کا شرف و امتیاز اسی کو حاصل ہے۔

ان اول بیت وضع للناس	بیشک جو سب سے پہلا گھر لوگوں کی عبادت
للذی ببکۃ مبارکا وھدیً	کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ وہ ہے جو بکہ میں
للعالمین (آل عمران ۱۰)	ہے بابرکت اور سارے عالم کے لئے ہدایت۔

اس شہر کا نام بعد کو مکہ پڑا۔ اور اب مزید تعارف سے بے نیاز اس کا شمار دنیا کے معروف ترین شہروں میں ہے۔ ام القری۔ البلد الامین اور البلد الحرام اس کے قرآنی مترادف ہیں۔

حجاز کے ایک دوسرے شہر کا بھی ذکر قرآن مجید میں یثرب اور مدینہ دو ناموں سے آیا ہے یہاں رسول اللہ مکہ سے ہجرت کرکے آئے تھے اور ہجرت کا ذکر اور اس کے احکام قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ معاندین سے

غزوات و محاربات یہاں کے زمانۂ قیام میں برابر جاری رہے اور ان کا تذکرہ قرآن مجید میں بسط و تفصیل سے موجود ہے۔ یہ تذکرے تو کبھی حسب موقع آگے سنئے گا۔ یہاں شہر کے سلسلہ میں صرف اتنی بات سن لینے کی ہے۔ کہ یہاں کی آبادی کا ایک خاصہ بڑا حصہ غیر مخلص رعایا پر شامل تھا جو بہ ظاہر اسلامی اسٹیٹ کے ہوا خواہ و فرمانبردار تھے۔ لیکن درحقیقت غیر وفادار بلکہ باغی تھے۔ اور دشمنان حکومت اسلامی سے میل کئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ مخلص و وفادار رعایائے اسلام کے خلاف طرح طرح کی افواہوں سے ایک سرد جنگ رکھے ہوئے تھے۔ اس پر قرآن مجید نے صاف صاف کہہ دیا۔

لئن لم ینته المنافقون	اگر منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ
والذین فی قلوبهم مرض و	ہے اور مدینہ میں بری خبریں اڑانے والے
المرجفون فی المدینة لنغرینك	باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے
بهم ثم لا یجاورونك فیها	پھر وہ نہ رہ سکیں گے۔ مدینہ میں آپ کے
الا قلیلا (الاحزاب ع ۸)	پڑوس میں مگر یہ کہ تھوڑے سے دن

یہ گویا صاف اعلان خداوندی تھا کہ کچھ ہی روز بعد رسول اللہ صلعم کو اُن پر پوری طرح دسترس حاصل ہو جائیں گی۔ اور آپؐ کا قیام یہیں رہے گا۔ اس بیان سے ایک فاضل معاصر نے یہ نکتہ بھی خوب پیدا کیا ہے، کہ جب آپ کا قیام یہیں آخر تک رہے گا۔ تو وفات بھی یہیں ہو گی۔ اور مدفن شریف بھی یہی شہر ہو گا۔

سنہ تاریخ کی بحث میں پڑنا قرآنی اسلوب بیان کے منافی ہو لیکن
زمانہ آئیے ہم اور آپ مل کر دیکھیں۔ شاید کہ کچھ روشنی حضور کے زمانۂ
بعثت پر بھی آیات قرآنی سے پڑ جائے۔

پہلی بات تو خوب روشن یہ ہے کہ آپ کا عہد نزول توریت ہی کے
نہیں، نزول انجیل کے بھی بعد کا ہے۔

النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ (الاعراف ع ۱۹)	وہ نبی امی جس کو (یہ اہل کتاب) اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

آپ تو آپ۔ آپ کے رفیقوں صحابیوں تک کے اوصاف توریت اور
انجیل دونوں میں موجود ہیں۔

ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل (الفتح ع ۴)	یہ ہے بیان ان کا توریت میں اور یہ ہے ان کا بیان انجیل میں۔

پھر قرآن مجید نے قبل کے پیمبروں میں ذکر سب سے آخری پیمبر حضرت
عیسیٰ کا کیا ہے۔ اس کے یہ معنی تو کھلے ہوئے ہیں کہ آپ کا زمانہ حضرت
عیسیٰ کے بعد کا ہے۔ بلکہ تصریح یہاں تک ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد
آپ کی آمد کی خوشخبری سنا گئے ہیں۔

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف ع ۱)	میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔

اس کے بعد یہ تصریح بھی قرآن مجید ہی میں ملتی ہے کہ آپ عہد عیسیٰ

سے متصل نہیں بلکہ ایک لمبے وقفہ کے بعد دنیا میں تشریف لائے۔

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علیٰ فترۃ من الرسل۔ (المائدہ ع ۳)	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں دور فترہ کے بعد جو تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں۔

فترہ سے مراد اصطلاح میں وہ مدت ہوتی ہے۔ جب کسی نبی کا زمانہ نہیں ہوتا گویا حضرت عیسیٰ کے دور نبوت کو ختم ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا جب ہمارے رسولؐ کا ظہور ہوا۔

اس سے آگے بڑھئے۔ تو سورۂ قریش سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب قریش کی سرداری معاصر عرب قبیلوں کو مسلّم ہو چکی تھی۔ بلکہ قریش کی بین الاقوامی اہمیت ہمسایہ ملکوں میں مانی جا چکی تھی۔ اور تجارتی قافلے شمال ومغرب اور جنوب ومشرق کی جانب قریش ہی کے پروانہ راہداری کے ساتھ آمد ورفت رکھنے لگے تھے تاریخی اعتبار سے یہ وہ زمانہ ہے جب سنہ مسیحی کو رائج ہوئے ایک مدت ہو چکی تھی تحقیق کا ایک قدم اور آگے بڑھائیے تو نظر آئے گا کہ اب زمانۂ نبوت محمدی کی تعیین کے ہم بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔ سورۂ قریش کے قبل اور اس سے متصل قرآن مجید میں سورۃ الفیل ہے۔ جس میں خانۂ کعبہ پر ابرہہ سردار حکومت حبشہ کی لشکر کشی کا بیان ہے۔ اور یہ مشہور واقعہ تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ ۵۷۰ء میں پیش آیا تھا مورخوں کا بیان ہے اور خود سیاق قرآنی بھی یوں چاہتا ہے کہ ولادت محمدی بس اس کے چند ہی روز بعد واقع ہوئی ہو۔

غرض آپ کے زمانۂ ولادت کا پتا تو قرآن مجید کی روشنی میں یوں کچھ نہ کچھ

لگ ہی گیا۔ اب رہا سوال زمانۂ بعثت و نبوت کا تو قرآن مجید ہی سے ایک عام قاعدہ انسان کے لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قوی (اور یہاں قوائے عقلی و اخلاقی ہی مراد ہیں) کی تکمیل ۴۰ سال کے سن میں ہوتی ہے۔

فلما بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃ (الاحقاف ع ۲) — اور انسان جب اپنی پوری قوت کو پہنچا۔ اور ۴۰ سال کا ہوا۔

اور جب یہ مقدمہ مسلّم ہے کہ نبوت اللہ کی طرف سے بشر کے لئے سب سے بڑی امانت اور سب سے بڑا امتیازی منصب ہے۔ تو یقیناً ۴۰ ہی سال کے سن میں آپ کو اس مرتبہ سے سرفراز کیا گیا ہوگا۔ مسیحی جنتری کے حساب سے یہ سنہ آکر ۶۱۰ء ٹھہرتا ہے اور اسی قیاسی و ظنی نتیجہ کی تصدیق و تائید روایات حدیث و سیرت سے ہوتی ہے۔

سوانح کے سلسلے میں آخری عنوان زمانۂ وفات کا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب آپؐ کی زندگی ہی میں آپؐ پر نازل ہوتی رہی۔ اس میں آپؐ کے زمانہ وفات کا ذکر کیونکر آسکتا تھا۔ تاہم تقریبی ہی زمانۂ وفات پر تو کچھ روشنی قرآن مجید سے پڑ ہی جاتی ہے۔

سورۃ النصر جس میں اسلام کے پھیلنے اور لوگوں کے جوق در جوق ایمان لانے کی صاف بشارت موجود ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری مکمل سورت ہے۔ اور اس کا زمانہ نزول اخیر سنہ ۱۰ ہجری ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدہ کی یہ آیت

الیوم اکملت لکم دینکم و — میں نے آج تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا

اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم — اور تمہارے اوپر اپنا انعام پورا کردیا۔ اور

الاسلام دینا (المائدہ ع ۱) ۔ تمہارے لئے بطور دین اسلام کو پسند کرلیا

روایتوں میں آتا ہے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی تھی۔ ان تصریحات سے قُربِ زمانۂ وفاتِ رسولؐ صاف نکل آتا ہے۔ اور یہ جو تاریخ سے ثابت ہے کہ وفات نبوی ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ یہ قرآنی اشاروں سے بھی ایک بالکل لگتی ہوئی بات ہے۔

خطبہ (۳)

فضائل، خصائص، مشاغل

قرآن مجید سے جہاں ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلعم کوئی فوق البشر یا فرشتہ وغیرہ نہ تھے۔ بلکہ محض بشر تھے۔ جیسے دنیا میں بشر ہوا کرتے ہیں اور خود آپؐ کی زبان سے دو دو بار کہلا یا گیا ہے، کہ

قل انما انا بشر مثلکم	آپ کہہ دیجئے کہ میں تو محض ایک بشر ہوں تم ہی جیسا۔

ایک بار سورۃ الکہف کے رکوع ۱۲ میں اور دوسری بار سورۂ حم السجدہ کے رکوع اول میں۔ اور یہ بھی کہ آپؐ کوئی انوکھے پیغمبر ہو کر دنیا میں نہیں آئے تھے بلکہ آپ سے پیشتر بہت سے انبیاء و مرسلین آ چکے تھے۔ اور آپ بس انھیں میں کے ایک فرد تھے۔

انک لمن المرسلین (البقرۃ ع ۳۳)	بیشک ان بھیجے ہوؤں میں سے ایک آپ ہیں۔
فقل انما انا من المنذرین	آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والوں

(النحل ع ۷)

میں سے ہوں۔

وما محمد الا رسول قد خلت
من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵)

محمد بجز اس کے کچھ نہیں کہ ایک رسول ہیں اور
ان کے قبل بہت سے رسول گزر ہی چکے ہیں

اکان للناس عجبا ان اوحینا
الی رجل منھم ان انذر الناس و
بشر الذین آمنوا
(یونس ع ۱)

کیا لوگوں کو اس بات پر حیرت ہے کہ ہم نے
انہیں میں سے ایک آدمی پر وحی بھیجدی کہ لوگوں
کو ڈرائیے بھی (ہمارے عذاب سے) اور مومنوں
کو خوشخبری بھی پہنچائیے۔

اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلایا گیا۔

قل ما کنت بدعا من الرسل
(الاحقاف ع ۱)

آپ کہدیجئے کہ رسولوں میں میں کوئی انوکھا
رسول تو ہوا نہیں۔

اور ساتھ ہی آپ کی بے اختیاری بھی ان الفاظ میں کہلا دی گئی۔

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم
(الاحقاف ع ۱)

میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کیا معاملہ میرے
ساتھ پیش آئے گا اور کیا تمہارے ساتھ۔

بلکہ یہاں تک بھی، کہ

قل لا املک لنفسی ضرا ولا
نفعا الا ما شاء اللہ
(یونس ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے تو
کسی ضرر اور کسی نفع کا اختیار ہی نہیں رکھتا
مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔

اور آیت کا یہی ٹکڑا ایک برائے نام لفظی اختلاف کے ساتھ سورہ الاعراف
رکوع ۲۳ میں بھی ملتا ہے۔

اور وقت قیامت کے علم کی بھی نفی آپ کی ذات سے کرائی گئی ہے باوجود اس کے کہ وقوع قیامت کا ذکر بڑی شد... کے ساتھ آپ کی زبان سے سنایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الا ھو (الاعراف ع ۲۳)	یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہوگی۔ آپ کہدیجئے کہ اسکا علم صرف میرے پروردگار ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر سوا اللہ کے کوئی اسکو ظاہر نہ کریگا

بلکہ آپ کی غیب دانی اور آپ کی مالکیت خزائن الٰہی اور آپ کی ملکیت اور ... کی نفی پر تصریح آپ کی زبان سے کرادی گئی۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحیٰ الی (الانعام ع ۵)	آپ کہدیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ (کی سرکار) کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اسی حکم پر چلتا ہوں میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ دنیوی علوم و معارف سے بھی یکسر آپ کی ناشناسی ظاہر کردی گئی حالانکہ جس عہد میں آپ کا ظہور ہوا تھا اس وقت تک بابل، مصر، چین، ایران، ہندوستان، یونان، روم، سب کہیں علوم و فنون خوب اپنا زور دکھلا چکے تھے اور بڑے بڑے شاعر اور ادیب، مورخ اور مہندس، حکیم اور فلسفی، کرۂ ارض کے طول و عرض میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے۔ اور علوم و فنون الگ رہے۔ قرآن مجید

نے تو آپ کی اُمیت یا حرف ناشناسی کی بھی صاف و صریح گواہی دی ہے۔

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک (عنکبوت ع ۵)
اور اس قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ تو کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے۔

اور پھر کہا ہے۔

ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم (الجمعہ ع ۱)
وہ اللہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان انہیں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔

اور پھر سورۃ الاعراف میں قریب ہی قریب دو دو جگہ آپ کے نبی امی ہونے کا اعلان اسی طرح ہے کہ گویا النبی الامی آپ کا عَلم ہے۔

رکوع ۱۸ میں ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی
جو لوگ پیروی کرتے ہیں رسول نبی اُمی کی۔

اور دوسری جگہ رکوع ۱۹ میں ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی۔
بس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمی پر

اور ساتھ ہی ساتھ جابجا تنبیہیں بھی ہیں۔ جیسی کہ خالق ہی محبوب ترین و مکرم ترین مخلوق سے ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ موقع جہاد پر بعض صحابیوں کے پیچھے رہ جانے کے سیاق میں ہے۔

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم
اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ نے انہیں کیوں

حتیٰ یتبین لک الذین صدقوا	اجازت دے دی! آپ کو رکنا تھا جب تک
(التوبہ ع ۷)	ان لوگوں کا سچا ہونا آپ کو معلوم ہو جاتا۔

اسی طرح ایک واقعہ خیانت کے سلسلہ میں۔

ولا تکن للخائنین خصیما	اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے
واستغفر اللہ (النساء ع ۱۶)	جھگڑا نہ کریں اور اللہ سے استغفار کریں۔

اور اسی کے بعد۔

ولا تجادل عن الذین	آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کیجئے
یختانون انفسھم (ایضاً)	جو اپنی جانوں میں خیانت کرتے ہیں۔

یا ایک مرتبہ جنگ کے قیدیوں کے باب میں۔

ما کان لنبی ان یکون لہ	نبی کی شان کے لائق نہ تھا کہ ان کے پاس
اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض	قیدی باقی رہتے جب تک کہ وہ نبی زمین پر
(الانفال ع ۹)	اچھی طرح خونریزی نہ کر لیتے۔

یا بعض مشرکوں کے لئے استغفار کے سلسلہ میں۔

ما کان للنبی والذین آمنوا	نبی اور مومنین کے لئے مناسب نہ تھا کہ وہ
ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا	مشرکوں کی مغفرت کی دعا کرتے خواہ وہ ان
اولیٰ قربیٰ من بعد ما تبین لھم	کے قرابت دار ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ جبکہ
انھم اصحاب الجحیم (التوبہ ع ۱۴)	ان پر ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ لوگ دوزخی ہیں

یا پھر اسی طرح ایک محبوب و مقبول صحابی حضرت زید کی مطلقہ بیوی کے بیان میں۔

وتخفی فی نفسك ما اللہ	اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے
مبدیہ وتخشی الناس واللہ	تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور آپ
احق ان تخشاہ	لوگوں کی طرف سے اندیشہ کر رہے تھے درآنحالیکہ
(الاحزاب ع ۵)	اللہ ہی اسکا زیادہ سزاوار ہو کہ آپ اس سے ڈریں

یا ایک اور سلسلہ میں جبکہ آپ نے ایک نابینا صحابی پر توجہ کرنے کے بجائے فوری توجہ اشراف قریش کی طرف کر دی تھی جن پر آپؐ تبلیغ دین کر رہے تھے۔

عبس وتولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ	پیمبر چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا اس
ومایدریك لعلہٗ یزکیٰ۔	بات پر کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کو
(عبس)	کیا خبر شاید وہ سنور ہی جاتا۔

تو یہ چند مقامات تھے۔ جہاں کہا جاسکتا ہے کہ آپؐ کو ۲۳ سال کی نہایت درجہ مصروف و مشغول پیمبرانہ زندگی میں تنبیہات بھی ملی ہیں۔ لیکن دوسری طرف فضائل اسی کثرت سے وارد ہوئے ہیں اور آپ کے پیمبرانہ خصائص و فرائض کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان پر حیرت ہی ہو کر رہتی ہے۔ اور قرآن کا ہر بے تعصب اور انصاف پسند طالب علم یہ کہنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے کہ ایسی پاکیزہ نفس اور جامع اخلاق زندگی بیشک اس قابل تھی کہ اسے ساری نوع انسانی کے سامنے بہ طور نمونہ و نظیر کے پیش کیا جائے۔

اس سلسلۂ بیان کو شروع اس جامع آیت سے کیجئے۔ جس میں خطاب یا تو عام نوع بشر سے ہے اور یا قوم عرب سے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم	بیشک آگئے ہیں تمہارے پاس ایک پیمبر

عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روفٌ رحیم (التوبہ ع ۱۶)

تمہیں میں سے۔ گراں گزرتی ان پر ہر چیز جس سے تم تکلیف پاؤ وہ حریص ہیں تمہارے اوپر اور ایمان والوں پر تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔

آیت میں اگر جمہور کی قرآت سے ساتھ (نفسِکمُ) پڑھئے تو مفہوم یہ پیدا ہوگا۔ کہ وہ کوئی اجنبی نہیں کسی غیر جنس کی مخلوق نہیں۔ تمہارے آپس کے ہیں۔ اور تم ہی جیسے ہیں۔ ان سے مغایرت اور نامانوسیت کا کوئی محل نہیں، اور اگر انفسکم (بہ فتحہ فا) پڑھا جائے کہ وہ بھی ایک قرآت متواترہ ہے تو معنی یہ نکلیں گے کہ وہ تمہارے بہترین اور نفیس ترین میں سے ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر انسانی تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے وہ اس سے انسان کو رہائی دلانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ انسانوں کے حق میں اپنی فرط شفقت سے حریص ہیں۔ اپنی اُمت کے حق میں وہ تو ان دو صفات کے مالک ہیں جو اللہ اپنے بندوں سے متعلق رکھتا ہے۔ یعنی رافت و رحمت اور امت کے حق میں ان کی شفقت و دلسوزی بے پایاں ہے۔

آپؐ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا ایک احسان عظیم ہے اور آپ کے فرائض و مشاغل خود اس پر دلیل کا کام دیتے ہیں۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے۔ جو ان کے درمیان ایک رسول بھیجا انہیں میں سے، جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں سنوارتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (آل عمران ع ۱۷) — کتاب اور حکمت کی اور گو وہ اس سے قبل صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

آیت سے جہاں ایک طرف رسولؐ کا درجہ و مرتبہ عنداللہ معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ کی بعثت کو اپنے احسان سے تعبیر کیا ہے۔ وہیں آپ کے روزانہ مشاغل پر بھی اس سے روشنی پڑ گئی۔ اور یہ معلوم ہو گیا کہ آپ امت تک قرآن مجید نہ صرف پہنچاتے تھے، بلکہ اس کی تعلیم دیتے اور شرح کرتے رہتے۔ اور تزکیۂ نفس کے کام میں لگے رہتے یعنی اصلاح ظاہری و اصلاح باطنی دونوں میں۔

اس سے ملتا ہوا مضمون ایک دوسری آیت کا بھی ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (الجمعۃ ع ۱) — وہ اللہ وہی ہے جس نے امیوں کے درمیان ایک رسول بھیجا انہیں میں سے جو ان پر اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور انہیں سنوارتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ وہ (لوگ) اس سے قبل صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

مشاغل روزانہ اور فرائض نبوی کا عکس اس آیت میں بھی نظر آ جاتا ہے۔

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمة ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون — جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے درمیان ایک رسول تمہیں میں سے جو تمہیں پڑھ کر سناتا ہے ہماری آیتیں اور تمہیں سنوارتا ہے اور تمہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔ اور وہ سکھاتا

(البقرۃ ع ۱۸) ہے وہ جو تم نہیں جانتے تھے۔

قرآن مجید کی تبلیغ و تعلیم کا تو ذکر مستقلاً آ ہی چکا۔ آیات قرآنی نے تصریح کردی، کہ اس کے اور تزکیۂ نفوس کے علاوہ۔ آپ حکمت اور ایسی باتوں کی بھی تعلیم دیتے تھے جو اس وقت تک اُمت کے دائرہ علم میں نہ تھیں اور اس سے یہ صاف معلوم ہوگیا کہ آپ الفاظ قرآنی سے قطع نظر خود بھی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے اور نظری و عملی حیثیت سے وہ رہنمائی اپنی قوم کی کرتے۔ جو اب تک اس کے دماغ کی رسائی کے باہر تھی، اور آپ کی بعثت کی غرض و غایت تو بہت صاف ارشاد ہوگئی ہے۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين (الانبیاء ع ۷) ہم نے آپ کو بھیجا ہی ہے رحمت بنا کر جہانوں کے لئے۔

یعنی آپ تو سبب رحمت ہی ہیں۔ کل جہاں والوں کے لئے۔

آپ کی اطاعت مخلوق پر واجب ہی نہیں۔ بلکہ مرادف ہے اطاعت الٰہی کے۔

ومن يطع الرسول فقد اطاع الله (النساء ع ۱۱) جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے عین اطاعت کی اللہ کی۔

اور یہ جب ہی ممکن ہو جب آپ کا ہر خطا و لغزش سے معصوم و ماورا ہونا پہلے تسلیم کرلیا جائے۔ ورنہ غیر معصوم سے تو ہمیشہ احتمال رہے گا۔ کہ فلاں معاملہ میں اس سے لغزش مرضیات حق کی ترجمانی میں ہوگئی ہو اور اطاعت رسول کی تاکید کرنے والی آیتیں ایک نہیں متعدد ہیں۔ بعض بالواسطہ اور اکثر براہ راست۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا (الحشر ع ۱) اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔

اور اس اخذ و منع میں رسولؐ کے سارے احکام مثبت و منفی آ گئے۔ ساتھ ہی کلی اور مجموعی طور پر یہ بھی بتا دیا گیا، کہ۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب ع ۳) — بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے۔

اس لئے قدرۃً آپ کا ہر قول و عمل اُمت کے لئے واجب التقلید ہے، تا وقتیکہ اس کے خلاف کوئی تصریح نہ ہو۔

اب وہ آیتیں بھی ملاحظہ ہوں جن میں اطاعت رسول کا حکم براہ راست موجود ہے۔ اطاعت الٰہی پر عطف ہو کر سورۂ آل عمران ع ۴ میں ہے۔

قل اطیعوا اللہ والرسول — آپ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو۔ اللہ اور رسول کی

اور اسی سورت کے رکوع ۱۴ میں لفظ قل حذف کر کے ہے

واطیعوا اللہ والرسول — اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی۔

سورۃ النساء رکوع ۸ میں ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ — اے ایمان والو۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔

اسی کے متصل اطاعت اولوالامر کا بھی حکم ہے۔ لیکن معاً بعد یہ بھی ارشاد ہو گیا ہے کہ

فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول۔ — اگر تمہارے آپس میں کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو حوالہ کر دیا اس امر کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف

خوب خیال کر لیا جائے۔ اپیل کی عدالت صرف بارگاہ خداوندی نہیں دربار رسولؐ بھی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کسی مخلوق کا اعزاز خالق کے یہاں کس طریقہ پر ظاہر

کیا جا سکتا ہے؟ ــــــ اور اطاعت رسول والے وہی الفاظ جو کہ منٹ قبل سورۃ النساء سے نقل کئے جا چکے ہیں۔ ایک بار پھر سورۃ محمدؐ رکوع ۴ میں دہرائے ہوئے ملتے ہیں۔
سورۃ المائدہ کے رکوع ۱۲ میں پہنچئے تو پھر یہی تاکید ملتی ہے۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول — اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور اطاعت کرتے رہو رسولؐ کی۔

اور انہیں الفاظ کی تکرار سورۃ التغابن کے رکوع ۲ میں واقع ہوئی ہے۔
سورۃ الانفال کھولئے تو اس کے شروع یعنی پہلے ہی رکوع میں یہ الفاظ نظر آتے ہیں۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین — اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو۔

اور سورۃ کے تیسرے رکوع کا آغاز ہی اس آیت سے ہوتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ۔ — اے ایمان والو۔ اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی۔

سورۃ میں تیسری بار پھر یہی حکم ملتا ہے اور رکوع ۶ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں،

واطیعوا اللہ ورسولہ — اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی

اور انہیں الفاظ کا اعادہ سورۃ المجادلہ رکوع ۲ میں ہوا ہے۔ پھر سورۃ النور کے رکوع ۷ میں پہلے تو یہ ہے کہ

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ — آپ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول کی۔

اور پھر اسی رکوع میں اور آگے بڑھ کر ہے کہ

واطیعوا الرسول لعلکم — اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر مہربانی

ترجمون کی جائے۔

اتنی جگہ صریح حکم اطاعت رسول کا، صیغۂ امر میں اور وہ بھی اکثر اطاعت الٰہی پر عطف کرکے قطعاً کسی اور مخلوق کے حق میں وارد نہیں ہوا ہے۔ اور یہ نظائر تو حکم اطاعت بہ صیغۂ امر کے ہوئے۔ باقی دوسرے طریقوں سے اسی مفہوم کی جو تبلیغ و تلقین اور تاکید ہوئی ہے وہ بھی کچھ کم موثر اور پر زور نہیں۔

سورۃ النساء رکوع ۱۱ کی ایک آیت ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ کچھ دیر قبل نقل ہو چکی ہے اسی سورۃ کے رکوع ۹ میں انعام یافتہ بندوں کی معیت کے سلسلہ میں یہ آ چکا ہے کہ

ومن یطع اللہ ورسولہ (یہ وہ ہیں) جو اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔

اور اس سے بھی قبل اسی سورۃ کے رکوع ۲ میں جہاں اہل جنت کا ذکر ہو وہاں بھی ٹھیک یہی الفاظ موجود ہیں ـــــ اور آیت کا یہی ٹکڑا لوٹ لوٹ کر سورۃ النور رکوع ۷، اور سورۃ الاحزاب رکوع ۹ اور سورۃ الفتح رکوع ۲ میں بھی آیا ہے۔

حکم کی یہ سب تاکیدیں لفظ اطاعت کی صراحت کے ساتھ تھیں۔ ایک جگہ مصدر اتباع آیا ہے۔ وہ بھی اس شان کے ساتھ اتباع رسولؐ کو عین زینۂ اللہ کے ہاں محبوبیت کا قرار دے دیا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ع ۴) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

اور اس مثبت و ایجابی پہلو کے علاوہ وہی مضمون متعدد منفی اور سلبی پہلوؤں سے بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ مثلاً

ومن یعص اللہ ورسولہ	اور جو نافرمانی کریگا اللہ اور اس کے رسول کی،
اور من یحادد اللہ ورسولہ	اور جو کوئی عداوت رکھے گا اللہ اور اسکے رسول سے
اور من یشاقق الرسول	اور جو کوئی دکھ پہنچائے گا رسول کو
اور ان الذین یحادون اللہ و رسولہ	اور جو لوگ دشمنی رکھتے ہیں اللہ اور اسکے رسول سے۔

اور اسی قبیل کی دوسری آیتیں اور وہ آیتیں جن میں ذکر رسول سے نافرمانی کرنے یا معصیت الرسول کا آیا ہے۔ اگر یہ سب استدلال و استشہاد کی غرض سے نقل ہونے لگیں تو یہ محدود وقت گنجایش رکھنے والے پکچر اپنے حدود سے بڑھ اور بہت بڑھ جائیں۔ اس لیے سامعین کو اس خاص سلسلہ میں قناعت اتنے ہی پر کرنا ہوگی۔

لیکن ابھی دو چار نہیں بیسیوں آیتیں اور ہیں جن میں رسولؐ کے فرائض اور فضائل اور خصائص تینوں کا بیان موجود ہے۔ ان سب سے قطع نظر کیونکر ممکن ہے؟ اور اگر انھیں چھوڑ دیا جائے تو سیرۃ نبوی کا قرآنی خاکہ بالکل ہی ناتمام رہ جائے گا اور اتنی اختصار پسندی اصل موضوع کے ساتھ ایک طرح کی خیانت ہی ہوگی۔

رسولؐ کے فرائض کا جہاں تک تعلق ہے (اور ضمناً فضائل بھی اس میں آگئے) یہ آیت اس باب میں بہت صاف واضح ہے۔

انا ارسلناك شاهدًا ومبشرًا ونذيرًا وداعيًا الى الله باذنه و	اے پیغمبر ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا

سراجا منیرًا — اور اللہ کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والا

(الاحزاب ع ۶) — اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

شاھد کی تفسیر یہ ہے کہ آپؐ سب پر گواہی دیں گے اور اس صفت کا ظہور حشر میں ہوگا۔ مبشر و نذیر کے معنی صاف ہیں۔ اچھوں کو صلۂ نیک کی خوشخبری سنانے والے۔ اور بدوں کو ان کے انجام سے ڈرانے والے۔ اور اللہ کی طرف اسی کے حکم و رضا سے۔ دعوت دینے والے اور ایک روشن چراغ یعنی نمونہ ہدایت، کہ آپ ہی کے چراغ سے خدا معلوم کتنے اولیا و صادقین کے چراغ آج تک روشن ہو چکے ہیں۔ اور آئندہ بھی روشن ہوتے رہیں گے۔ اور یہ مضمون قرآن میں جا بجا آیا ہے اور اسی سراج منیر کی آیت سے استنباط کر کے جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ

قد جاءکم من اللہ نور و — لوگو تمہارے پاس آگیا ہے اللہ کے یہاں سے

کتاب مبین۔ (المائدہ ع ۳) — ایک نور (اور) ایک کتاب واضح بھی۔

وہاں نور سے اشارہ ذات رسالت کی جانب ہے تو انھوں نے کچھ بے جا تفسیر و تاویل نہیں کی ہے۔

آپؐ کے فضائل کی ایک جامع سورت سورۃ الانشراح ہے جہاں یہ ارشاد ہو گیا ہے کہ

الم نشرح لک صدرک — کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا ہے

و وضعنا عنک وزرک الذی — اور آپ سے آپ کا وہ بار اتار دیا جو آپ کی

انقض ظھرک — پشت توڑے دیتا تھا۔

یعنی آپ کا شرح صدر کرکے آپ کے قلب و روح کو علوم و معارف ربانی سے بھر دیا۔ اور ہدایت خلق کی فکر میں جو آپ گھلے جا رہے تھے۔ اس بار کو آپ کے لئے ہلکا کر دیا۔

اس سے آپ کی اس عادت مبارک پر بھی روشنی خود بخود پڑ گئی کہ ہدایت خلق کی فکر آپ کو کتنی مشقت و تعب میں ڈالے ہوئے تھی۔ اور اس کے معاً بعد یہ مژدہ بھی ہے کہ

ورفعنا لك ذكرك — ہم نے آپ کے لئے آپ کا آوازہ بلند کر دیا۔

آج دنیا میں کون بشر ہے۔ جو پیغمبر اسلام کے آوازہ کی بلندی میں کلام کر سکتا ہے؟ کوئی شخص کسی بھی عقیدہ اور مذہب کا ہو آخر آج اس سے کیسے انکار کر سکتا ہے کہ دنیا کی بشری آبادی میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے۔ جس کا نام خدائے واحد کے نام کے ساتھ ساتھ۔ دنیا کے ایک ایک گوشہ سے ہر روز پانچ پانچ مرتبہ پکارا جاتا ہے اور اس دلسوزی اور پشت توڑ دینے والی ہمدردی نوع انسانی کا بیان اسی آیت تک محدود نہیں۔ دوسری آیتوں میں اس جذبۂ رفاہ خلق کی تصریح در تصریح موجود ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ہے کہ منکروں کے فلاں فلاں قول سے۔

وضائق به صدرك (ہود) — آپ کا سینہ تنگ ہوا جاتا ہے

ایک جگہ اس سے بھی زیادہ نازش و برملا ہے۔ مسیحیوں کی شدید گمراہی اور مسیح پرستی کے شرک کے سیاق میں۔

فلعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يؤمنوا بهذا — تو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے

الحدیث اَسَفًا (الکھف ع ۱)　　دیں گے۔

یہ غمگینی اور دلسوزی جب غیروں کے واسطے تھی۔ تو اپنی اُمت کے حق میں اس کا
جو درجہ ہوگا، ظاہر ہی ہے ــــ دوسری جگہ بھی منکروں ہی کے سلسلۂ بیان میں ہے۔

لعلک باخع نفسک الا یکونوا　　شاید ان کے ایمان نہ لانے پر آپ اپنی جان
مومنین (الشعراء ع ۱)　　ہی دے دیں گے۔

جو عالم انسانی کے لئے ایسے ہی غم جانگداز میں گھلتا رہتا ہو۔ حقیقتہً اسی کو حق بھی
سارے عالم کی پیمبری اور انبیاء و مرسلین کی سرداری کا ہے۔

اور جب مقتدائی میں آپ کا یہ مرتبہ تھا۔ جبھی تو یہ قرار پایا کہ اللہ کے یہاں مقبول
محمود و محبوب ہونے کا نسخہ یہ ہے کہ اسی کامل ہستی کے نقش قدم پر چلا جائے۔
خود آپ کی زبان سے اعلان کرایا گیا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ　　آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو
فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ع ۴)　　بس میری راہ پر چلو۔ اللہ تم سے محبت رکھنے لگے گا

رسولؐ کے فرائض میں نمایاں طور پر یہ بات داخل تھی کہ آسمانی کتابوں کو ماننے والی
پرانی قومیں اپنے ہاتھوں تقلید انسانی اور اوہام پرستی کے جن بندھنوں میں مبتلا تھیں انہیں
ان قیدوں اور سختیوں سے نجات دلائیں اور انہیں دین کا سیدھا، ہموار، راستہ دکھائیں۔
چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ پیمبر جن کا مذکور توریت و انجیل میں آچکا ہے۔

یامرھم بالمعروف وینھاھم　　انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری
عن المنکر ویحل لھم الطیبات و　　باتوں سے منع فرماتے ہیں، اور پاکیزہ چیزوں کو
یحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم　　ان کے لئے حلال بتاتے ہیں۔ اور گندی چیزوں

اصرھم والاغلال التی کانت	کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو
علیھم (الاعراف ع ۱۹)	بوجھ اور طوق تھے۔ اُن کو اِن سے دور کرتے ہیں

اور اتنا ہی نہیں۔ بلکہ اہل کتاب کے مقتداؤں نے تحریفات و تلبیسات و تصرفات کا انبار جو اپنی آسمانی کتابوں میں لگا دیا تھا۔ اسے بھی یہ صاف کرتے ہیں۔ اور ان مجرموں کی بہت سی باتوں سے درگزر بھی کر جاتے ہیں۔ ارشاد اہل کتاب کو مخاطب کرکے ہوتا ہے۔

یا اھل الکتاب قد جاء کم	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول
رسولنا یبین لکم کثیرا مما	آئے ہیں۔ کتاب میں سے جن امور کو تم چھپاتے
کنتم تخفون من الکتاب	رہے ہو۔ ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے
و یعفو عن کثیر۔	سامنے کھول دیتے ہیں اور (تمہاری) بہت
(المائدہ ع ۳)	سی باتوں سے چشم پوشی بھی کر جاتے ہیں۔

آپ کی راہ میں مشکلات اتنی حائل ہو گئی تھیں۔ اور تبلیغ رسالت کے لئے موانع اتنے سخت پیش آ گئے تھے کہ ان حالات میں ثابت قدم رہ جانا معمولی ہمت والے انسان کا کام نہ تھا۔ آپؐ کو استقامت اور ثبات قلب و ثبات قدم کی طاقت بھی اسی لئے غیر معمولی عنایت کی گئی۔

ولولا ان ثبتناک لقد کدت	اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب
ترکن الیھم شیئا قلیلا۔	تھا کہ آپ کچھ تو ان لوگوں کی طرف جھک
(بنی اسرائیل ع ۸)	جاتے۔

یہ بیان فطرت بشری کا ہوا۔ بشریت کا عین مقتضا یہ تھا کہ آپ ان منکرین

سے کسی قدر کوئی صورت مصالحت و مفاہمت کی نکالتے۔ لیکن امداد غیبی آڑے آئی اور اس نے درجہ ادنیٰ میں بھی آپؐ کو اپنی جگہ سے جنبش نہ ہونے دی۔

منکرین معاندین کے شدید مخالفانہ رد یہ سے آپ کو اذیت قلب محسوس ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ اس پر آپ کو علانیہ تسکین دی گئی۔ کہ یہ کوئی آپ کی ذاتی حیثیت سے تکذیب تھوڑے ہی ہوئی۔ یہ تکذیب تو عین آیات و دلائل الٰہی اور آپ کے پیام کی ہے۔ تو آپ اس سے اپنی ذات پر اتنا اثر کیوں لیں۔

قد نعلم انه لیحزنك الذی یقولون فانهم لا یکذبونك ولکن الظالمین بآیات الله یجحدون (الانعام ع ۴)	ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی یہ باتیں آپ کو رنج دلاتی ہیں۔ لیکن یہ لوگ تکذیب آپ کی نہیں کرتے۔ بلکہ آیات الٰہی کے منکر ہٹ دھرمی سے ہو رہے ہیں۔

ورنہ ذاتی حیثیت سے تو آپ کی سیرت اتنی ممتاز اور آپ کا پایۂ اخلاق اتنا بلند تھا کہ بڑے بڑے منکروں معاندوں کو بھی گرفت کی گنجائش نہ تھی۔ آپ کی زندگی اتنی بے لوث بے داغ رہی تھی۔ کہ خود اسی کو حجت بنا کر منکروں کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے سوال کرایا گیا۔ کہ میں تو تمہارے ہی اندر رہا سہا ہوں۔ تمہارے ہی اندر اتنی عمر گذاری ہے تمہیں بتاؤ کہ اس سے قبل تمہیں کوئی بدگمانی کا موقع ملا ہے؟

فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون۔ (یونس ع ۲)	میں تمہارے ہی درمیان اس (دعویٰ نبوت) سے قبل ایک عمر گزار چکا ہوں سو تم لوگ کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟

اور یہ بھی کہلایا گیا ہے کہ اگر میں ارادۃً غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا ہوں۔

تو تمھاری تشخیص کے مطابق لازمی ہے کہ مجھے کوئی دماغی بیماری ہو، کہ اس میں پڑ کر میں اس وہم میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ تو اس مفروضہ کو بھی تم اپنی علم دماغیت کی کسوٹی پر کس کے دیکھ لو۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنی وفرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ (السبا ع ۶)	آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ دو دو ایک ایک، پھر سوچو کہ تمھارے (ان) ساتھی کو کہیں جنون تو نہیں ہے۔

اور پھر اسی کو مختصراً دہرایا گیا ہے۔

اولم یتفکروا ما بصاحبھم من جنۃ۔ (الاعراف ع ۲۳)	یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے ان کے ساتھی کو کوئی شائبہ جنون کا تو ہے نہیں۔

پھر لے دے کے ایک احتمال یہ ہو سکتا تھا، کہ شاید کوئی طمع دنیوی آپ کو اس منزل پر لائی ہو۔ قرآن مجید نے اس احتمال کی بھی جڑ کاٹ دی۔

قل ما اسالتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ (السبا ع ۶)	آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے (اس تبلیغ رسالت) کا کوئی معاوضہ مانگا ہو تو بس وہ تمھارا ہی رہا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے۔

اور اسی کے ہم مضمون فقرے حضرت نوحؑ۔ حضرت شعیبؑ۔ حضرت لوطؑ وغیرہم کی زبان سے ادا کرکے رسول اللہ صلعم کے اس جواب کو اور زیادہ قوی و مؤکد کر دیا ہے۔
قرآن مجید نے آپ کو اعزاز و احترام کے جس مرتبہ پر رکھنا چاہا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس کلام مبین میں قسم آپ کی عمر کی دلائی گئی ہے۔ قوم لوط کی بدکرداریوں اور بدمستیوں کے سلسلہ میں ہے کہ:۔

لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمھون (الحجر ع ۵) قسم ہو آپ کی جان کی وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

اور قسم کا استعمال اگر عربی میں شہادت کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ حضور کی ساری زندگی کو صداقت کی نظیر کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آپ کی مرتبت عالی پر روشنی اس حقیقت سے بھی کچھ نہ کچھ پڑجاتی ہے کہ جہاں اور ہم منصب حضرات کا ذکر صیغۂ ندا میں نام کے ساتھ آیا ہے یا آدم، یا ابراہیم یا موسیٰ یا داؤد وغیرہم۔ وہاں آپ کا ذکر قرآن مجید بھر میں مخاطبت کے وقت نام کے ساتھ نہیں، بلکہ صفات کمال وجمال میں سے کسی نہ کسی صفت ہی کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً یاایھا النبی یا ایھا الرسول یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر وغیرہ۔ اور صیغۂ غائب میں مطلق لفظ عبد سے اشارہ آپ ہی کی ذات کی طرف کیا گیا ہے۔ جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ عبدیت اپنی کامل ترین یا اکمل صورت میں جلوہ گر آپ ﷺ ہی کی ذات میں ہوئی ہے۔

اسی قسم ہی کے سلسلہ میں یہ بات بھی سن رکھنے کی ہے کہ قرآن مجید میں قسم ایک شہر کی بھی مذکور ہے۔

لا اقسم بھذا البلد (البلد) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔

لیکن معاً بعد تو رسولؐ کو مخاطب کرکے ہے۔

وانت حل بھذا البلد اور آپ اس شہر میں اترے ہوئے ہیں۔

یا کہ آپ کے لئے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔

ان دونوں تفسیروں میں سے جو بھی اختیار کی جائے۔ بہرحال اتنا جزو ثابت

ہے کہ اس مکان کو جو شرف و عظمت حاصل ہے وہ اس مکین کی نسبت سے ہے۔
آپ اس شہر میں مقیم فرض کئے جائیں۔ یا آپ کے لئے اس حرم محترم میں جنگ
جائز ہو رہی ہو۔ ہر صورت میں آپ کی نسبت ہی باعث احترام ہوئی۔
مشہور واقعہ معراج کی تفصیلی کیفیات جو کچھ بھی ہوں۔ بہرحال قرآن مجید
اس کی گواہی تو دے ہی رہا ہے کہ وہ ایک واقعہ عظیم و نادر تھا۔ جس سے آپؐ
کی یکتائی ظاہر ہو رہی ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہٖ	وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو لے گیا
لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد	راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس
الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ	کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھدی ہیں۔ تاکہ
من اٰیاتنا۔ (بنی اسرائیل ع ۱)	ہم انہیں اپنے کچھ نشانات دکھا دیں۔

اور اسی طرح دوسری جگہ رسولؐ کی جس سیر آسمانی کا ذکر گیا ہے اور جس طرح آپ
کی روحانیت کے مرتبے دکھائے گئے ہیں۔ وہ آپ کو نہ صرف عام نوع بشری میں
بلکہ صف انبیاء و مرسلین میں بھی کتنا ممتاز کرنے والا ہے۔

ما ضل صاحبکم وما غوی	یہ تمہارے ساتھی (اس عالم میں کبھی) نہ راہ سے
(النجم ع ۱)	بھٹکے نہ غلط راستہ پر پڑ لئے۔

بلکہ آپ کا مرتبہ تو یہ ہے کہ آپؐ جو چیزیں پیش کر رہے ہیں وہ کوئی بھی اپنی
خواہش نفس سے نہیں بلکہ وحی الہٰی ہی کے ماتحت ہیں۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو	اور آپ اپنی خواہش نفس سے باتیں نہیں
الا وحی یوحیٰ	بناتے۔ بلکہ ان کا ارشاد وحی ہی ہوتا ہے۔ جو

ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور اس خاص موقع پر۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ — اللہ نے اپنے بندہ پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل کی

ما کذب الفؤاد ما رایٰ۔ — فرمانا تھی اور آپ کے قلب نے کوئی غلطی دیکھی

ہوئی چیز میں نہیں کی۔

اور ملائکہ نورانی کی دید اور دوسرے تجلیات ربانی کے مشاہدہ کی جن منزلوں سے اور جس طرح گزرے، اس کی روداد بھی اجمالی سہی لیکن بڑی پختگی کے ساتھ قرآن کے صفحات میں محفوظ ہے۔

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند — اور ان پیمبر نے اس فرشتہ کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔

سدرۃ المنتھیٰ ... اذ یغشی — سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ... جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو لپیٹ

السدرۃ ما یغشیٰ ما زاغ البصر — رہی تھیں جو چیزیں کہ لپیٹ رہی تھیں (ان پیمبر کی) نگاہ

وما طغیٰ لقد رایٰ من اٰیات ربہ — ہٹی نہ بڑھی۔ انھوں نے اپنے پروردگار کے نشے

الکبریٰ (النجم ع ۱) — بڑے عجائبات دیکھ لئے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وحی کا آنا کسی حکمت مصلحت سے ۔ کچھ روز کے لئے بند ہو گیا اور اس پر معاندین کو خوب شادیانے بجانے کا موقع مل گیا۔ ان کے خیالات خام کے ردّ و ابطال میں رسولؐ ہی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

ما ودعک ربک وما قلیٰ — آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ چھوڑا اور نہ وہ

(الضحیٰ) — بیزار ہوا۔

اور دوست برداری دبیزاری کا گیا ذکر ہے۔ آپ کا مستقبل آپ کے

ماسبق سے آپ کا انجام آپ کے آغاز سے بھی کہیں زیادہ عالی شان و تابدار رکھ دیا گیا ہے۔

وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ (ایضاً) آخرت آپ کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے

اتنا ہی نہیں، آپ کی رضا خود آپ کے خالق کو کس درجہ مدنظر ہے۔

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (ایضاً) عنقریب اللہ آپ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپ اس سے خوش ہو جائیں گے۔

اور اس عطا اور بخشش ہی کے سلسلہ میں: وہ لفظاً چھوٹی اور معناً بڑی آیت بھی پڑھ لینے کے قابل ہے۔

انا اعطینٰک الکوثر (الکوثر) بیشک ہم نے آپ کو عطا کر دی کوثر

اور اب کوثر کو خواہ جنت کی حوض و نہر کے معنی میں لیا جائے۔ خواہ خیر کثیر کا مرادف سمجھا جائے یہ ہے وہ بشارت عظیم، جو آپ کے سوا مخلوق میں اور کسی کو بھی نہیں ملی۔

اور اسی معنی کی تائید، تاکید و تقویت میں یہ آیت بھی ہے۔

وان لک لاجراً غیر ممنون (القلم ع ۱) اور آپ کے لئے بیشک ہے اجر غیر منقطع۔

قرآن کی زبان جس اجر کو غیر منقطع بتائے اس کی حد و نہایت کا کون حساب لگا سکتا ہے۔

ایک جگہ قرآن نے آپ کے ایک ایسے وصف جامع کا ذکر کر دیا ہے جس کے

اندر سارے ہی اوصاف آسکتے اور آجاتے ہیں ـــــ اور اس کی شرح و تفصیل جتنی بھی کی جاسکے۔ وہ وصف اتنا جامع ہے کہ اس پر کسی اضافہ کا امکان نہیں ارشاد ہوا ہے کہ :۔

انک لعلیٰ خلق عظیم (القلم ع ۱)	اے پیمبر آپ اخلاق کے عظیم پیمانہ پر ہیں۔

خلق صیغۂ جمع میں ہے اور اس کے اندر اخلاق حسنہ کے سارے ہی اصناف و افراد آگئے۔ پھر جب قرآن نے جو مبالغہ کی زبان سے ناآشنائے محض ہے اس کے ساتھ صفت عظیم کی لگادی۔ تو اب یہ صفت اس وسعت و بلندی کو پہنچ گئی جو بندوں کے ادراک کی رسائی کی منتہا ہے۔

کہیں کہیں قرآن اخلاق حسنہ کی اس جامعیت کی کچھ تفصیل و تصریح کرتا گیا ہے مثلاً ایک جگہ ناموافق ماحول کے سیاق میں ہے :۔

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا انفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم (آل عمران ع ۱۷)	اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ ان لوگوں کے حق میں نرم رہے اور اگر آپ کہیں تندخو سخت طبیعت والے ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہوجاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے استغفار کر دیجئے۔

اس سے ہر قسم کی سخت مزاجی کی نفی اور نرم خوئی کا اثبات پوری طرح ہوگیا اور کہیں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے ہاں سے جو باتیں آپ کو معلوم ہوتی رہتی ہیں ان کو پھیلانے بتلانے میں آپ ذرا بھی بخل کو کام میں نہیں لاتے۔

وماھو علی الغیب بضنین (التکویر) اور یہ رسول غیب کے بتانے میں ذرا بھی بخیل نہیں۔

تحریک شفقت کی نہیں۔ افراط شفقت و دلسوزی سے آپ کو منع کرنے کی ضرورت تھی۔

فلا تذھب نفسک علیھم حسرات (الفاطر ع ۲) ان لوگوں کے حال پر غم کرکے کہیں آپ جان نہ دے بیٹھیں۔

عبادات خصوصاً عبادات شبینہ کے آپ بہت عادی تھے۔

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل ونصفہ وثلثہ (المزمل ع ۲) آپ کے پروردگار کو اس کا علم ہے کہ آپ رات کی دو تہائی کے قریب اور آدھی آدھی رات اور تہائی رات کھڑے رہتے ہیں۔

ان مجاہدات شاقہ سے قرآن مجید کو آپ کو روکنے کی ضرورت پڑی اور غایت شفقت وکرم سے ارشاد ہوا۔

وما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ (طٰہٰ ع ۱) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

معاندین کی مسلسل شرارتوں پر تسکین آپ کو بار بار دی گئی ہے اور ایک جگہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ آپ قابل ملامت قابل الزام کسی طرح بھی نہیں۔

فتول عنھم فما انت بملوم (الذاریات ع ۳) آپ لوگوں کی طرف التفات نہ کیجئے اور آپ پر کوئی ملامت نہیں۔

اور ایک جگہ تسلی کے لئے شفقت خاصہ اور عنایت خصوصی کے الفاظ یوں

وار ہوئے ہیں کہ آپ تو ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

واصبر لحکم ربک فانک باعیننا (الطور ۲۴)	آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر کئے رہئے آپ تو خاص ہماری حفاظت میں ہیں۔

منکرین و معاندین کے پاس بڑا حربہ طنز و استہزا، کا تھا قرآن مجید نے تسکین اس پہلو سے بھی دی۔

انا کفیناک المستھزئین (الحجر ۹۵)	(ان) استہزا کرنے والوں سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں۔

اس سے نفس استہزا، کا وجود تو ثابت ہی ہو گیا۔

مخالفین و معاندین کثرت سے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے متعدد اشاروں سے معلوم ہوتا ہے۔ تصریح کے ساتھ ذکر ابو لہب کا اور اس کی بیوی کا آتا ہے۔ ابو لہب کا نام تاریخ میں عبد العزیٰ آیا ہے۔ اور سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ وہ علاوہ آپ کا عزیز قریب یعنی چچا ہونے کے پڑوسی بھی تھا۔ یہ خود اور اس کی بیوی جو اموی خاندان کی تھی۔ دونوں اذیت رسانی میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور پڑوس کی بنا پر انھیں اس کے موقعے بھی زیادہ تھے۔ قرآن مجید نے اس الدالخصام کے تذکرہ میں کہا ہے۔

تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنیٰ عنه ماله وما کسب۔ (لھب)	ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی اس کی ساری کوششیں اور تدبیریں ضائع گئیں) اور وہ ہلاک ہو گیا۔ کچھ کام اس کے نہ آیا نہ اس کا مال اور اس کی کمائی۔

بڑا غرہ معلوم ہوتا ہے اسے اپنے مال و دولت پر تھا ــــ اور جو انجام اس کا ہوا۔ ایسا ہی کہنا چاہیئے کہ دشمنان رسول کے جتنے سرخیل تھے سب کا ہوا۔ پیش خبری واضح لفظوں میں کر بھی دی گئی تھی۔

ان شانئک ھو الابتر (الکوثر) — جو آپ کا دشمن ہے بیشک وہی بے نام و نشان (رہ جانے والا) ہے۔

اور زیادہ عام اور وسیع الفاظ یہ آئے ہیں۔

والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم (التوبہ ع ۸) — جو لوگ رسول اللہ کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔

آپ صرف رسول ہی نہ تھے۔ یعنی سلسلۂ انبیاء میں سے ایک بلکہ اس سلسلہ کے خاتم اور آخری نبی بھی تھے۔ آپ کے نام کی تصریح کے ساتھ آیا ہے کہ

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب ع ۵) — محمد اللہ کے رسول ہیں اور انبیاء کے خاتم (بھی)

آپ کی اگلی اور پچھلی تقصیریں، اگر کچھ تھیں سب معاف ہو چکی تھیں۔

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (الفتح ع ۱) — تاکہ اللہ آپ کے وہ گناہ جو پہلے ہوئے اور جو پیچھے ہوئے، وہ سب بخش دے۔

اور یہ بات اپنی جگہ دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ پیمبروں کے سلسلہ میں جب ذنب و عصیان کا استعمال ہوگا تو وہ انھیں کی شان و مرتبہ کے مطابق ہوگا۔ عام بشری معیار سے الگ۔ آپ کا استغفار، مومنین صادقین تو الگ رہے۔ ظالموں فاسقوں تک کے حق میں مقبول و موثر تھا۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا اللہ واستغفر لهم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (النساء ع ۹)

اور اے پیمبر جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر آپ کے پاس آ جاتے پھر اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان

دنیا میں رسولؐ کی موجودگی نزول عذاب الٰہی سے روک بنی ہوئی تھی صاف ارشاد ہوا ہے۔

وما کان اللہ لیعذبهم وانت فیهم (الانفال ع ۴)

اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ آپ ان کے درمیان موجود ہوں اور وہ (اس حال میں) انھیں عذاب دے۔

رسولؐ سے بیعت اللہ سے بیعت کے مراد ف تھی۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (الفتح ع ۱)

بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

ایمان کا معیار ہی یہ رکھدیا گیا ہے کہ معاملات میں حَکَم پیمبر کو بنایا جائے اور ان کے ہر فیصلہ کو بلا کراہت قبول کر لیا جائے۔

فلا وربك لا یؤمنون حتیٰ یحکموك فی ما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (النساء ع ۹)

تو قسم ہو آپ کے پروردگار کی کہ انھیں ایمان نصیب نہ ہوگا جب تک یہ نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ فیصلہ آپ سے کرائیں اور آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی (بھی) نہ پائیں اور اسے پوری طرح تسلیم کریں

اور اس کی تصریح بار بار آئی ہے کہ آپ خصوصی فضل و رحمت الٰہی کے مورد تھے۔ مثلاً

وعلمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما (النساء ع ۱۷)

اللہ نے آپ کو وہ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل رہا ہے۔

یا اور اسی طرح براہ راست۔

ان فضله كان عليك كبيرا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

بیشک آپ پر اللہ کا فضل بڑا ہے۔

یا پھر اسی طرح بالواسطہ۔

وما كنت ترجوا ان يلقى اليك الكتاب الا رحمة من ربك (القصص ع ۹)

اور آپ کو تو یہ امید ہی نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل ہوگی لیکن آپ کے پروردگار کی رحمت سے اس کا نزول ہوا۔

ایسے سرور سردار کی خانگی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کے لئے کچھ خصوصی آداب بھی مقرر ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ ہے۔ مثلاً ایک ادب یہ تھا۔ کہ آپ کو اگر پکارا جائے۔ تو اس طرح نہیں جیسے لوگ ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہیں۔

ولا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا (النور ع ۹)

(لوگو) اپنے درمیان رسول کو اس طرح نہ پکارا کرو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

آپ کی محفل سے بلا اجازت اٹھ جانا ممنوع ہوا۔

واذا كانوا معه على امر جامع لم يذهبوا حتى يستاذنوه

مومنین رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہو۔ تو جب تک آپ

(النور ع ۹) سے اجازت نہ لے لیں، نہیں جاتے۔

آپ کا حق مومنین پر ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم (الاحزاب ع ۱) نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ازواج مطہرات اُمت کی مائیں ہیں۔

وازواجہ اُمھاتھم اور نبی کی بیبیاں مومنین کی مائیں ہیں۔

(الاحزاب ع ۱)

اور جب یہ ہوا تو اس اصل کی ایک فرع قدرتاً یہ نکلی کہ ان ماؤں کے ساتھ اُمت کے کسی فرد کا نکاح ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار پا گیا۔

ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابداً (الاحزاب ع) مسلمانوں تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم آپؐ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو

یہ بیبیاں عام عورتوں سے ایک ممتاز و بلند حیثیت رکھتی تھیں۔

یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن۔ اے نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کئے ہو۔

(الاحزاب ع ۴)

ان بی بی صاحبوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو اُمت کو ہدایت تھی کہ پردہ کے باہر سے مانگا کریں۔

واذا سالتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء حجاب (الاحزاب ع) اور جب تم کو ان بیبیوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کی آڑ سے مانگو۔

پیمبر کے گھر میں بے محابا. بلا اجازت چلے آنا، جائز نہ تھا۔

یا ایھا الذین آمنوا لاتد خلوا	اے مومنو، پیمبر کے گھروں میں نہ داخل ہو جایا
بیوت النبی الا ان یوذن لکم	کرو، سوا اس کے کہ تمھیں اس کی اجازت دے
(ایضاً)	دی جائے۔

یہ بھی اُمت کو ہدایت ہوئی کہ پیمبر کے ہاں اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو کھانے سے فراغت کے بعد بس اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ یہ نہ ہو کہ پیمبر کے اوقات کا لحاظ کئے بغیر بے فکری سے باتوں میں لگ گئے۔

فاذا طعمتم فانتشروا ولا	پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو۔
مستانسین لحدیث (ایضاً)	اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔

رسول اللہ پر مروت یا حیا اس درجہ غالب تھی کہ خود اپنے کفش بردار اُمتیوں سے اتنی بات بھی براہ راست نہیں فرما سکتے تھے اور قرآن مجید کو یہ ہدایت دینا پڑی

ان ذالکم کان یوذی النبی	اس بات سے پیمبر کو ناگواری ہوتی ہے، لیکن
فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق	وہ تمھارا لحاظ کرتے ہیں. اور اللہ صاف
(ایضاً)	بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا.

اور آپ کے ذمہ قرآن مجید کی محض تبلیغ و تعلیم ہی نہ تھی. بلکہ اس کی تبیین بھی تھی. یعنی اس کے خفی کو جلی کرنا اس کے مشکلات کو کھولنا اور واضح کرنا۔ ارشاد ہوا ہے

وانزلنا الیک الذکر لتبین	اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین
للناس مانزل الیھم ولعلھم	لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں۔ آپ ان کی شرح
یتفکرون (النحل ۶)	ان پر کر دیں تاکہ وہ سوچتے رہیں۔

اور پھر اسی سورت میں ذرا آگے چل کر ہے۔

وما انزلنا علیک الکتاب	اور ہم نے تو یہ کتاب آپ پر بس اسی لئے نازل
الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ	کی ہو کہ آپ ان لوگوں پر وہ کھول کر ظاہر
وھدی و رحمت لقوم یومنون	کر دیں۔ جس بارہ میں وہ اختلاف کر رہے ہیں
(النحل ع ۸)	اور ایمان والوں کی ہدایت رحمت کی غرض سے

غرض یہ کہ مبلغ قرآن و معلم قرآن ہی کی طرح آپ کا شارح قرآن ہونا بھی قرآن مجید ہی سے ثابت و ظاہر ہے۔ اور جس طرح باب کا آغاز آپؐ کے وصف بشریت سے ہوا تھا۔ اسی طرح باب کا خاتمہ بھی آپ کی رسالت کے اس خاص الخاص وصف کے اثبات پر ہو رہا ہے اور جب کسی نبی کے لئے قرآن نے کھل کر کہہ دیا کہ یہ لوگوں کی پیروی کے لئے ایک اسوۂ حسنہ یا ایک بہترین نمونہ ہو تو اس کے معنی ہی یہ ہوئے کہ وہ بہترین صفات و کمالات کا مجموعہ ہے کہ بغیر اس جامعیت کمالات کے وہ نمونہ کا کام دے کیونکر سکتا ہے۔ اور اوصاف و کمالات کی تھوڑی بہت تشریح و تفصیل جو آپ کے سامنے آیات قرآنی سے ہو چکی۔ یقین ہے کہ اس کے بعد آپ کا دل خود بول اٹھے گا کہ بیشک وہی ذات مستحق تھی اس کی کہ خلق کے سامنے خالق کی طرف سے اس کی کاریگری کے شاہکار کی حیثیت سے پیش ہو۔

خطبہ (۴)

رسالت و بشریت

فضائل و مناقب کا مرقع آپ ملاحظہ کر چکے۔ اور اور بھی رسولؐ کی جلالت قدر کے جلوے نظر سے گزرتے رہیں گے۔ لیکن قرآن مجید جیسی جامع مانع اور کل مکتفی کتاب کو دوسرے سرے کی طرف سے بھی پوری احتیاط رکھنی لازمی تھی۔ پیمبروں اور اولیاؤں کی شخصیتوں پر دنیا کی تاریخ میں برابر یہ ظلم عظیم ہوتا رہا ہے کہ جہاں ایک طرف منکروں اور معاندوں نے ان کے کمالات کی طرف سے یکسر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور تکذیب و انکار کو اپنا شعار بنا لیا۔ وہیں دوسری طرف ماننے والوں نے بھی عقیدت میں وہ غلو کیا کہ ایلچی کو بادشاہی اور بندہ کو خدائی ہی کے تخت پر بٹھا کر دم لیا۔ بندہ کو بندہ رہنے ہی نہ دیا۔ اور حلول، اتحاد، تبنیت ابنیت عینیت وغیرہ طرح طرح کے عقیدے گڑھ کے رسالت کے ڈانڈے الوہیت سے جا ملائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال تو کھلی ہوئی موجود ہی ہے۔ ہندوستان کے جن بزرگوں کو اوتار کہہ کر مانا جاتا ہے عجب نہیں کہ ان کی بھی اصلی اور ابتدائی حیثیت پیمبر ہی کی ہو۔

قرآن مجید نے اس شدید گمراہی بلکہ کہنا چاہیے کہ گمراہیوں کی جڑ سے انسانوں کو بچانے کے بالواسطہ اور براہ راست دونوں طریقے پُر زور صورت میں اختیار کیے۔

پہلے نظر طریق بالواسطہ پر کیجیے۔ قرآن مجید نے پہلے اس سلسلہ میں یہ اصل قائم کی کہ آپ بھی اسی طرح ایک رسول ہیں۔ جیسے آپ کے قبل ہو چکے ہیں۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہٖ (النساء ع ۲۳)	ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف بھی بیشک (اسی طرح) وحی بھیجی ہے جیسی نوح اور انکے بعد (دوسرے) نبیوں پر بھیجی تھی۔

اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلایا گیا۔

قل ما کنت بدعا من الرسل (الاحقاف ع ۱)	آپ کہہ دیجیے کہ میں پیمبروں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں۔

اور یہ بھی تصریح کے ساتھ ارشاد ہو گیا۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵)	محمدؐ تو بس ایک پیمبر ہی ہیں بیشک ان سے پہلے بھی پیمبر ہو چکے ہیں۔

اور اس اصل کے مقرر اور متعین ہو جانے کے بعد یہ حقیقت بھی ارشاد ہو گئی کہ سارے رسول انسان ہی ہوئے ہیں۔ بشر ہوئے ہیں، فوق البشر نہیں۔ نہ دیوتا۔ نہ اوتار۔ نہ ابن اللہ نہ کچھ اور فقط وحی الٰہی سے سرفراز بشر!

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القریٰ (یوسف ع ۱۲)	(اے پیمبر) ہم نے آپ سے پہلے جو پیمبر بھیجے وہ بستیوں کے رہنے والے بس آدمی ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

اسی حقیقت کا اعادہ سورۂ النحل ع ۶ میں ہے اور یہی مضمون سورۂ انبیاء ع
میں ایک بار پھر برائے نام لفظی فرق کے ساتھ ارشاد ہوا ہے۔ گویا خوب وضاحت
اور تکرار کے ساتھ یہ ارشاد ہو گیا کہ نبوت بشریت کے ماورا اور اس سے مافوق
کوئی چیز نہیں۔

یہ طریقہ تو بالواسطہ آپ کو بشر قرار دینے کا تھا۔ لیکن قرآن نے اسی پر بس نہیں
کیا بلکہ براہ راست آپ کی بشریت کا اثبات اور وہ بھی بہ تکرار کیا ہے۔ ایک جگہ
آپؐ ہی کی زبان سے کہلایا ہے۔

هل کنت الا بشراً رسولاً — میں بجز اس کے بشر ہوں پیمبر ہوں اور
(بنی اسرائیل ع ۱۰) — کیا ہوں۔

شرک اور مشرکانہ عقائد میں ڈوبے ہوئے منکرین بار بار پیمبروں سے
انکار و استعجاب کے لہجہ میں کہتے تھے۔

ابعث اللہ بشراً رسولاً — کیا خدا نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا
(بنی اسرائیل ع ۱۱) — ہے؟

یا یہ کہ

ابشر یهدوننا (التغابن ع ۱) — کیا ہماری ہدایت ایک بشر کرے گا۔

یا کبھی اپنے پیمبر ہی کو براہ راست مخاطب کر کے کہتے

ما انت الا بشر مثلنا — تم اور کیا ہو، بجز اس کے ہم ہی جیسے ایک
(الشعراء ع ۸) — بشر ہو۔

اس طرح کے فقرے قرآن مجید نے ان مکذب قوموں کی زبان سے بار بار نقل

کئے ہیں اور اس کے جواب میں ان کے پیمبروں کی زبان سے اس واقعیت کو بڑی خندہ جبینی سے تسلیم کرالیا ہے۔

ان نحن الا بشر مثلکم (ابراہیم ع ۲) بیشک ہم تو بس بشر ہی ہیں تم جیسے۔

اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بھی تصریح بار بار کرادی کہ پیمبروں کا جسم بھی عام انسانوں کی طرح مادی جسم ہوتا ہے اور انہیں احتیاج بھی کھانے پینے کی رہتی ہے۔

وماجعلناھم جسدا لا یاکلون الطعام (الانبیاء ع ۱) اور ہم نے انہیں جسم بھی ایسا نہیں دیا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔

اور خود ہمارے رسول سے متعلق تو مشرکین مکہ کا یہ مستقل طنز تھا کہ یہ کیسے رسول ہیں۔ جو کھانا بھی کھاتے ہیں۔ اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

قالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (الفرقان ع ۲) بولے کہ ان رسول کو کیا ہوا ہے کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

جواب میں آپ کی بشریت کی واقعیت کو تسلیم کرکے ارشاد ہوا کہ اس میں نئی بات کیا ہے۔ جتنے پیمبر پیشتر آچکے ہیں سب یہی جسم اور یہی احتیاجیں لے کر آئے تھے۔

وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق (الفرقان ع ۲) اور ہم نے آپ سے پیشتر جتنے پیمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

اور یہی نہیں کہ پیمبران برحق کھانے پینے چلنے پھرنے کی بشری ضرورتوں

سے بے نیاز نہ تھے بلکہ بیوی بچے شادی بیاہ اور خاندان کے معاملے میں بھی ترک و تبتل اور رہبانیت کے قائل اور عامل نہ تھے۔

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلك وجعلنا لهم ازواجا و ذرية (الرعد ع ۶)	اے پیغمبر، بیشک ہم نے آپ سے پیشتر پیمبر بھی بھیجے ہیں اور انہیں بیبیاں اور اولادیں بھی دی ہیں۔

اور پیمبروں میں تو اتنی قوت بھی نہیں ہوتی کہ خود اپنی طرف سے کوئی معجزہ دکھا سکیں یا کوئی امر بہ طور خارق عادت پیش کر سکیں۔

وما كان لرسول ان يأتى باية الا باذن الله (الرعد ع ۶)	اور کسی رسول کے بس میں نہیں کہ وہ کوئی بھی نشان لا سکے بجز اس کے کہ اللہ کے حکم سے

اور خود پیمبروں کی زبان سے کہلایا گیا۔

وما كان لنا ان ناتيكم بسلطان الا باذن الله (ابراہیم ع ۲)	اور ہمارے بس میں تو یہ نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی دلیل لا سکیں بجز اس کے کہ اللہ کے حکم سے۔

معبودیت کی بڑی پہچان اور مخلوقیت کی بالکل ضد دوام زیست یا ابدیت ہے۔ اس وصف کی کامل نفی پیمبروں سے قرآن نے کی ہے۔

وما كانوا خالدين (الانبیاء ع ۱)	وہ ہمیشہ رہنے والے نہ تھے۔

اس قسم کی آیتوں میں تو ہمارے رسول کا ذکر صرف ضمناً و استطراداً ہے باقی دوسری آیتوں میں آپ کی وفات یا فنا پذیری کا ذکر صراحتہً ہے مثلاً۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (آل عمران ع ۱۵)

محمد تو بس ایک پیمبر ہی ہیں۔ پیمبران سے پہلے بھی بہت سے گزر چکے ہیں۔ تو اگر یہ وفات پا جائیں یا ہلاک کر ڈالے جائیں تو کیا تم تو پچھلے پیروں واپس چلے جاؤ گے۔

اور کہیں اس قسم کے الفاظ ہیں۔

وان ما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب (الرعد ع ۶)

اور جس عذاب کا وعدہ ہم ان (کافروں) سے کر رہے ہیں۔ اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہے اور حساب لینا ہمارا ہی کام ہے

اور کہیں اس سے ملتے جلتے الفاظ یوں آئے ہیں۔

وان ما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا مرجعھم (یونس ع ۵)

اور جس عذاب کا وعدہ ہم ان (کافروں) سے کر رہے ہیں۔ اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں تو ہمارے پاس تو انہیں واپس آنا ہی ہے۔

اور یہ مضمون انہیں آیتوں میں نہیں اور بھی متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ اور اس تکرار سے مقصود مخاطبین کو رسول اللہؐ کی بشریت اور وفات پذیری سے خوب مانوس کر دینا ہے۔ اور ایک جگہ تو انتہا یہ ہے کہ اس خاص وصف کے لحاظ سے رسول مقبول اور کفار معاندین کو بالکل ایک ہی صف میں رکھ دیا گیا ہے

انک میت وانھم میتون

آپ بھی موت پانے والے ہیں اور یہ لوگ

(الزمر ع ۳) سبھی موت پانے والے ہیں۔

عبدیت، قرآن نے بتایا کہ حضرات انبیا، کے لئے کوئی ننگ و عار کی چیز نہیں۔ فخر و مباہات کی بات ہے۔ حضرت مسیح کا نام لے کر ہے۔

لن یستنکف المسیح ان یکون مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ

عبد اللہ (النسا، ع ۲۴) اللہ کے بندے ہیں۔

رسول برحق صلعم کی زبان سے یہاں تک کہلا دیا گیا۔ کہ اور تو اور میں خود اپنی ذات کو بھی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

قل لا املك لنفسی ضرًا آپ کہدیجئے کہ میں اپنی ذات تک کے لئے

ولا نفعًا الا ما شاء اللہ تو نقصان و نفع کا اختیار رکھتا نہیں ہوں

(یونس ع ۵) مگر ہاں جتنا اللہ کو منظور ہو۔

اور یہی مضمون ایک برائے نام لفظی فرق کے ساتھ سورۃ الاعراف ع ۲۳ میں دہرایا ہے۔

مشرکانہ مذہبوں کا ذکر نہیں۔ مسیحیت تو اصلاً ایک توحیدی دین ہے اس تک میں تشفیع مطلق حضرت مسیحؑ کو ٹھہرالیا گیا ہے۔ بلکہ روز جزا کے گویا حاکم و مالک ہی وہی ہوں گے۔ اور جس کو چاہیں گے اپنے اختیار سے جنت دلوادیں گے۔ قرآن مجید نے اس کے برعکس رسول اسلامؐ کی زبان سے یہاں تک کہلایا ہے۔

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا

(الاحقاف ع ۱) معاملہ کیا جائے گا۔ اور تمہارے ساتھ کیا۔

اور خیر یہاں تو معاملہ حشر کے علم کی نفی رسولؐ کی زبان سے کرائی گئی۔

دوسری جگہ علم غیب کی نفی کرنا چاہیئے کہ مطلق صورت میں ہے۔

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون (الاعراف ع ۲۳)	اگر میں غیب کا علم رکھتا ہوتا تو اپنے لئے بہت سے نفع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت میرے اوپر واقع نہ ہوتی۔ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

رسول کی بشریت ایک اور لطیف و نادر طریقہ سے بھی قرآن مجید نے ظاہر کر دی ہے۔ یعنی انجام کے ساتھ حضورؐ کے مادی اجزائے جسم، اعضاء اور شکل و شمائل کے اہم جزئیات کا بھی ذکر اپنے صفحات میں کر دیا ہے۔ اور اس طرح کہنا چاہیئے کہ سراپائے مبارک کا ایک خاکہ قرآن مجید کی مدد سے تیار ہو جاتا ہے۔

فانما یسرناہ بلسانک لعلھم یتذکرون۔ (الدخان ع ۳)	ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان سے آسان ہی کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔

زبان مبارک کا تذکرہ ایک دوسرے موقع پر بھی موجود ہے۔

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ (القیامۃ ع ۱)	(اے پیغمبر) آپ قرآن پر زبان نہ ہلایا کیجئے کہ آپ اسے جلدی جلدی لیں۔

زبان کے وجود کا اثبات اور وہ بھی دو دو جگہ، خواہ مخواہ اور بلا مقصد نہیں۔ اس سے جہاں ایک طرف حضور کے جسد ظاہری کا اکرام ظاہر ہوتا ہے۔ وہاں مخاطبین کو یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ اس عبد محترم کا جسد و قالب گوشت و پوست کے انھیں لوازم کے ساتھ تھا۔ جو نوع بشری کے لئے عام ہیں ـــــ زبان کے ساتھ دل کا

ذکر بھی آیا ہے قلب اور فواد دونوں لفظوں کے ساتھ دو جگہ۔ چنانچہ پہلی جگہ۔

قل من کان عدوا لجبریل	آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبرئیل سے دشمنی رکھتا
فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ	ہے تو انھیں نے تو یہ قرآن آپ کے قلب پر
(البقرہ ع ۱۲)	اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔

دوسری بار ایک اور سورۃ میں۔

نزل بہ الروح الامین علیٰ	اس قرآن کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔
قلبک لتکون من المنذرین	آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں
(الشعراء ع ۱۱)	سے ہوں۔

لفظ فواد کے ساتھ بہ سلسلہ معراج آیا ہے۔

ما کذب الفواد ما رایٰ	قلب (پیغمبر) نے دیکھنے والی چیزوں میں کوئی
(النجم ع ۱)	غلطی نہیں کی۔

چشمان مبارک کے ذکر میں سے بھی یہ صحیفۂ ربانی خالی نہیں۔

حضور ہی کو مخاطب کرکے ارشاد ہوتا ہے۔

ولا تمدن عینیک الی ما	اور آپ ہرگز آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں
متعنا بہ ازواجا منھم	کو نہ دیکھئے جن سے ہم نے ان (نافرمانوں) کے
(الحجر ع ۶)	مختلف گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے۔

چشم مبارک کی بصارت کا ذکر بھی اس صحیفۂ یزدانی میں جگہ پائے ہوئے ہے۔

مازاغ البصر وما طغیٰ	نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔
(النجم ع ۱)	

روئے مبارک کا تذکرہ تو شاید اور زیادہ ضروری تھا۔ اس سے یہ کتاب آسمانی کیسے خالی رہتی حکم تحویل قبلہ کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

قد نرٰی تقلب وجھک فی السمآء — ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے تھے۔ (البقرۃ ع ۱۷)

اور پھر اسی آیت کے اندر انھیں الفاظ سے متصل۔

فول وجھک شطر المسجد الحرام — بس آپ پھیر لیا کیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

اور پھر چند سطروں بعد انھیں الفاظ کی تکرار دوسری اور تیسری بار۔ اور روئے مبارک کو دین کی طرف یکسو رکھنے کا حکم سورۃ الروم میں دوبار قریب ہی قریب ہے

فاقم وجھک للدین حنیفا — سو آپ اپنا رخ دین کی طرف یکسو ہو کر رکھئے (الروم ع ۴)

فاقم وجھک للدین القیم — سو آپ اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھئے۔ (الروم ع ۵)

اور ایک جگہ حکم کی صورت میں آپ سے خطاب ہوا ہے کہ

فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للہ — اگر یہ (مشرکین) پھر بھی آپ سے حجتیں نکالتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنا رُخ [illegible] اللہ کی طرف کر ہی چکا [illegible]

ایک اور جگہ زبان مبارک سے یہ کہلایا گیا ہے۔ کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ [illegible]

وان اقم وجھک للدین حنیفا — اپنا رخ دین کی طرف یکسو ہو کر رکھنا (یونس ع ۱۱)

چشم مبارک کے علاوہ گوش مبارک کا بھی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ اگر صراحتہً نہیں تو دلالتہً تو بہر حال۔ منافقین مدینہ کا قول نقل ہوا ہے۔

یقولون ھو اذن قل اُذن خیر لکم۔ (التوبہ ع ۸)
یہ کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سنتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ آپ کان دے کر وہی بات سنتے ہیں جو تمھارے حق میں بہتر ہے۔

اب سینۂ مبارک کی طرف آیئے۔ اور اس کا عکس اس آئینہ آسمانی میں ملاحظہ فرمایئے:۔

الم نشرح لک صدرک (الانشراح)
کیا آپ کا سینہ ہم نے آپ کے لئے کھول نہیں دیا ہے۔

اور پشت مبارک کے ذکر کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں اسی کے متصل موجود ہے۔

ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک۔ (ایضاً)
اور آپ سے آپ کا وہ بوجھ دور کر دیا جو آپ کی پشت کو توڑے ڈالتا تھا۔

اور ان اعضائے جسد کے علاوہ قرآن معرض بیان میں حضورؐ کے بعض اعمال وحرکات جسمانی کو بھی لایا ہے۔ مثلاً حضورؐ کا اٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ کھانا پینا اور نماز اور عام عبادتیں۔ مثلاً:۔

الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین۔ (الشعراء ع ۱۱)
وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور آپ کی نشست برخاست نمازیوں کے ساتھ۔

یا منکرین مشرکین کی زبان ہے۔

مالھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ (الفرقان ع ۱)

ان رسول کو یہ ہے کیا یہ کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

یا پھر اس قسم کی آئیتیں:-

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین (الاعراف ع ۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں۔

حیات اور ممات دونوں کا ذکر اس آیت میں آ گیا۔ ایک جگہ مشرکین کو مخاطب کرکے عمر شریف کا بھی حوالہ آپ ہی کی زبان مبارک سے دیا گیا ہے۔

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ (یونس ع ۲)

میں اس (دعویٰ نبوت) سے قبل بھی تو ایک عمر تک تمہارے درمیان رہ چکا ہوں۔

اسی طرح ایک جگہ اور قوم لوط کی بدمستی کو آپ کی عمر یا جان کی قسم کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:-

لعمرك انھم لفی سکرتھم یعمھون۔ (الحجر ع ۵)

آپ کی جان کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

خطبہ (۵)

ہجرت

حضور کا مولد جیسا کہ آپ پہلے سن آئے ہیں۔ ابراہیمی شہر مکہ یا بکہ تھا۔ جس کے صفاتی نام مثلاً ام القریٰ۔ البلد الامین۔ البلد الحرام بھی قرآن مجید میں آ چکے ہیں۔ جب یہاں آپ پر اور آپ کے پیروؤں پر سختی حد سے گزر چکی اور اذیت ناقابل برداشت حد کو پہنچ گئی۔ تو آپ کو حکم اس شہر سے ہجرت کر جانے کا ملا۔ ہجرت محض ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقلی کا نام نہیں اصطلاح شریعت میں اس ترک سکونت اس نقل مکانی کو کہتے ہیں۔ جو دین کے تحفظ کی خاطر یا احکام الٰہی کی تعمیل میں اختیار کیا جائے۔

مظلوم طبقہ جس میں کیا مرد کیا عورتیں اور کیا بچے سب ہی شامل تھے۔ اس کی زبان پر فریاد مدت سے جاری تھی۔

والمستضعفین من الرجال	اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں مرد بھی ہیں۔
والنساء والولدان الذین	اور عورتیں بھی اور بچے بھی۔ جو دعا کر رہے ہیں
یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ	اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے باہر نکال

الظالم اھلھا (النساء ع ۱۰) جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں۔

رسولؐ کی ذات اور رسولؐ کی دعوت یا مشن کے ساتھ تمسخر تو ان کی عام عادت بن گئی تھی۔ دعوت کو قبول کرنا الگ رہا۔ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کے بھی روادار نہ تھے۔

واذا رآک الذین کفروا ان یتخذونک الا ھزوا — جب آپ کو یہ کافر (یعنی مشرکین مکہ) دیکھتے ہیں تو بس آپ سے مسخرہ پن کرنے لگتے ہیں۔

(الانبیاء ع ۳)

اور اپنے خیال میں ہنسی اُڑاتے ہوئے۔ بناتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ

اھذا الذی یذکر آلھتکم — کیا یہی وہ حضرت ہیں، جو تمہارے معبودوں کی

وھم بذکر الرحمان ھم کافرون — بدگوئی کرتے ہیں! اور خود ان کا یہ حال ہے کہ

(ایضاً) — رحمٰن کے ذکر پر یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

اور یہی مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک دوسری جگہ بھی قرآن میں نقل ہوا ہے

واذا راوک ان یتخذونک — اور جب یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) آپ کو دیکھتے

الا ھزوا اھذا الذی بعث اللہ — ہیں تو بس تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں

رسولا (الفرقان ع ۴) — کہ کیا یہی وہ حضرت ہیں جنھیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

گویا دعویٰ نبوت ان لوگوں کے نزدیک سرے سے ناقابل قبول بلکہ ناقابل التفات تھا۔ اور بڑا حربہ ان لوگوں کے ہاتھ میں اسی تمسخر و استہزاء کا تھا، ہر طرح آپ کی ہنسی اُڑاتے اور آپ کی تعلیم کو سحر و نتیجہ سحر بتلاتے۔ چنانچہ رسولؐ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔

بل عجبت ویسخرون واذا	آپ تو تعجب کرتے ہیں اور وہ ہنسی اڑاتے ہیں
ذکروالایذکرون واذا راؤاآیۃ	اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہو تو نصیحت نہیں
یستسخرون وقالواان ھٰذا الا	سنتے۔ اور جب کوئی سی نشانی دیکھتے ہیں تو کہتے
سحرمبین (والصافات ع ۱)	ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور بس۔

آخر تجویزیں آپ کو قید میں ڈال دینے کی ہونے لگیں۔ مشورے آپ کی جلاوطنی کے شروع ہو گئے اور منصوبے آپ کے قتل کے ہونے لگے۔ سیرۃ کی کتابوں میں یہ واقعات تفصیل سے آئے ہیں۔ قرآن مجید نے اعجاز و جامعیت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ۔

واذ یمکربک الذین کفروا	اور جب یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) آپ کی
لیثبتوک اویقتلوک او یخرجوک	نسبت یہ سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں
(الانفال ع ۴)	یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں

یہ چالیں بڑی گہری اور یہ تدبیریں بڑی زہریلی تھیں۔ ایسی کہ ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو خود اپنی حکمت و تدبیر کا ذکر کرنا پڑا۔

ویمکرون ویمکراللہ	وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر
(ایضاً)	کر رہا تھا۔

آپ کے گنتی کے پیرو اور رفیق اپنے کو عددی اقلیت اور ہر طرح کے معاشی ضعف اور ماندگی میں پا رہے تھے اور پناہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اس دور کے ختم ہو جانے پر اس کا جو ذکر کیا ہے۔ اس سے اس پر پوری روشنی پڑ گئی۔

واذکروا اذا نتم قلیل	اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے اور
مستضعفون فی الارض تخافون	ملک میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اور اس اندیشہ

ان یتخطفکم الناس فآواکم (الانفال ع ۳) — ہیں رہا کرتے تھے کہ تم کو یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) نوچ کھسوٹ نہ لیں۔ پھر اللہ نے تمہیں جگہ دی

قرآن مجید ذکر کرتا ہے کہ جب مظلوموں کو حکم ہجرت کا ملا اور ان میں سے بعض پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ تو نزع کے وقت ان سے اور ملائکہ سے مکالمہ اس قسم کا ہوگا۔

قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا (النساء ع ۱۴) — وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں محض مغلوب (اور بے بس) تھے فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے؟

اور یہ حکم ہجرت ملنا عین رحمت تھی یہ مظلوم بیچارے تو خود ہی دعائیں مانگنے لگے تھے کہ ظلم و ستم کے اس ماحول سے کہیں نجات حاصل ہو۔ جیسا کہ ابھی چند منٹ قبل سورۃ النساء رکوع ۱۰ کے حوالے سے آپ سن چکے ہیں۔

ایک جگہ انھیں مظلوم مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

یخرجون الرسول وایاکم ان تومنوا باللہ ربکم (الممتحنہ ع ۱) — یہ لوگ رسول کو اور تم کو (بھی) نکال رہے ہیں (وطن سے) اس بات پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک جگہ اور انہیں مظلوم مسلمانوں کا ذکر کر کے ارشاد ہوا ہے۔

فالذین ہاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی۔ — سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو لوگ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جنہیں میری راہ میں

(آل عمران ع ۲۰) تکلیفیں پہنچائی گئیں۔

یہ لفظ اوذوا فی سبیلی (میری راہ میں تکلیفیں پہنچائی گئیں) ہر قسم کی اذیتوں کا جامع ہے سیرۃ کی کتابوں میں بعض بعض اذیتیں ایسی درج ہیں کہ انھیں پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس لفظ اوذوا کے بجائے قرآن میں کہیں کہیں کہیں دوسرے لفظ ما فتنوا ماظلموا بھی آئے ہیں۔ سب اسی حقیقت کے ترجمان ہیں۔ کہ دین مومنین پران کے سردار و پیشوا سمیت زندگی تنگ کر دی گئی تھی۔

بالآخر حکم ترک وطن ملا۔ مظلومیت اور بے سرو سامانی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اتنے لمبے سفر میں مسلسل رفیق آپؐ صرف ایک صاحب کو رکھ سکے۔ سفر اخفاء کے ساتھ ہوا اور کہیں کسی پہاڑی غار میں چھپنا پڑا۔ ان تنہا رفیق سفر کا بھی ذکر قرآن مجید نے اسی سفر ہجرت کے سلسلے میں کیا ہے۔

اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار (التوبہ ع ۶) — جبکہ آپ کو کافروں نے (وطن سے) نکال دیا تھا۔ ان دو میں سے ایک آپ تھے جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے۔

آپؐ کا سکون قلب اور اعتماد علی اللہ اس حال میں بھی برابر قائم رہا۔ قرآن کی شہادت ہے۔

اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا (ایضاً) — جب کہ آپؐ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

شہر مدینہ، مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور

سطح سمندر سے دو ہزار فٹ کی بلندی پر۔ اونٹ کی سواری پر یہ فاصلہ یوں بھی خاصہ طویل تھا۔ پھر جب کہ سفر کو مخفی رکھنے کی غرض سے آپ نے راستہ اور زیادہ پیچیدہ و طویل اختیار کیا تھا۔ سفرِ ہجرت کی ساری سرگزشت اگر ایک طرف توکل و اعتماد علی اللہ وغیرہ آپؐ کی اخلاقی صفات کی ترجمان ہے۔ تو دوسری طرف قابلیت تنظیم اور خوش تدبیری وغیرہ اعلا صفات عقلی کی بھی شاہد عادل،

مدینہ پہنچ کر بھی دشواریوں اور شدید مخالفتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ صرف ان کا رخ یا پہلو ذرا بدل گیا۔ ایک نیا سابقہ منافقین کے زبردست اور صاحب اثر گروہ سے پڑا۔ یہ زبان پر دعویٰ اسلام کا رکھتے تھے۔ لیکن دل سے منکر تھے۔ اور محض منکر ہی نہیں۔ معاند بھی تھے۔ اور دوسرے دشمنان اسلام کی سازشوں میں شریک۔ ان میں زیادہ تر تو مشرکین مدینہ تھے اور کچھ یہود بھی۔ ان کا مفصل تذکرہ کسی مستقل عنوان کے ماتحت آپ آگے چل کر سنیں گے۔ یہاں سلسلۂ بیان میں صرف اتنا سن لینا کافی ہوگا کہ ان کی چالبازیوں کی بات قرآن مجید نے بار بار دہرائی ہے اور یخادعون اللہ والذین آمنوا انہیں کے لئے فرمایا ہے۔ یعنی یہ دھوکا دینا چاہتے ہیں یا دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ کو اور مومنوں کو۔

دوسرا نیا سابقہ یہاں آکر آپ کو اہل کتاب سے پڑا خصوصاً یہود سے اور ان سے طرح طرح کے مناقشے رہے۔ یہ سرگزشت بھی آگے چل کر آپ سنئے گا۔

تیسری نئی بات یہ پیش آئی کہ آپ کو غزوے یا دینی محاربے ایک نہیں متعدد کرنے پڑے۔ زیادہ تر تو مشرکین مکہ اور دوسرے عرب قبائل کے خلاف اور کبھی کبھی قبائل یہود کے مقابلہ میں بھی۔ اس کی تفصیل بھی ایک آئندہ صحبت کے لئے اٹھا رکھئے،

اور چوتھی بات جو اس صورت حال سے بہ طور نتیجہ کے پیدا ہوئی یہ ہے کہ آزادی و خود مختاری مل جانے سے آپؐ کو مدینہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالنے، اس کے لئے قانون و آئین منضبط کرنے اور طرح طرح کے احکام جاری کرنے کی ضرورت بھی آ پڑی۔ یہ احکام کچھ تو بہ ذریعہ وحی نازل ہوتے رہے۔ اور قرآن مجید میں جگہ پاتے رہے۔ اور کچھ رسول نے اپنے اجتہاد سے یا قرآن مجید سے استنباط کر کے صادر فرمائے۔

منافقین مدینہ کی شدت نفاق کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں ہے۔

ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق (التوبہ ع ۱۳) — مدینہ والوں میں ایسے بھی ہیں۔ جو نفاق پر اڑ گئے ہیں۔

ان پختہ منافقین کے علاوہ اور بھی کچھ آبادی مدینہ والوں کی ایسی تھی جو ایمان کے باب میں دو دلی سے ہو رہی تھی۔ یہ کچے اور تذبذبی ایمان والے بھی منافقوں کے شریک ہو کر طرح طرح کی افواہیں شہر میں مسلمانوں کو ڈرانے سہمانے کے لئے اڑاتے رہتے تھے۔ اور گویا آج کل کی اصطلاح میں ایک سرد جنگ حزب محمدی کے خلاف جاری کئے ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں المنافقون پہ عطف کر کے ان کا ذکر بھی آیا ہے۔

والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ (الاحزاب ع۸)

اگر منافقوں کو شرماشرمی جنگ میں کبھی مسلمانوں میں شامل ہو کر نکلنا پڑتا بھی تو کہتے کہ۔

لئن رجعنا الی المدینۃ — ہم اگر مدینہ واپس آئے۔ تو ہم میں سے

لیخرجن الاعز منھا الاذل۔ (المنافقون ع ۱)	جو گروہ زبردست ہے وہ زیردستوں کو یقیناً نکال باہر کرے گا۔

اور زبردست و غالب فریق سے اشارہ ظاہری ہے کہ انکا اپنی ہی طرف ہوتا۔ اور زیردستوں اور مغلوبوں سے مسلمانوں کے جانب۔

اسی طرح ایک بار ایک جنگ کے موقع پر۔ عین میدان جنگ سے ان منافقین نے دوسروں کو بھڑکا کر واپس لے جانا چاہا تھا۔ قرآن مجید میں ذکر اس کا بھی موجود ہے۔

واذ قالت طائفۃ منھم یا اھل یثرب لامقام لکم فارجعوا (الاحزاب ع ۲)	اور وہ وقت یاد کرو۔ جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا تھا، اے یثرب والو ٹھہرنے کا موقع نہیں واپس چلے چلو۔

مدینہ کا قدیم نام یہی یثرب تھا۔ اور اصلاً یہ یہود کا مسکن تھا۔ مدینۃ النبی بہ ہجرت نبوی کے بعد کہلایا۔ اور پھر صرف المدینہ رہ گیا۔

اس شہر سے ہٹ کر۔ بجز عارضی جنگی ضرورتوں یا حج وغیرہ کے کہیں اور آپؐ کے تشریف لے جانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں۔ اور نہ سیرۃ و تاریخ ہی میں آتا ہے۔ یہیں قیام آخر عمر تک رہا۔ وفات شریف یہیں ہوئی۔ اور یہیں مدفن ہے۔

خطبہ (۶)

غزوات و محاربات

قرآن مجید اس حقیقت پر شاہد و ناطق ہے کہ رسول کریمؐ کی عمر مبارک کا ایک حصہ قتال و غزا میں بھی گزرا ہے۔ اور چونکہ قیام مدینہ کے دوران میں گزرا اس لئے لازمی طور پر یہ عمر شریف کا آخری حصہ تھا۔ ملک کا جو ماحول تھا اور ہر طرف جو فضا تھی۔ اس نے اس صورت حال کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ قتل و غارت، ظلم و فساد، غصب حقوق و رہزنی۔ غرض کوئی بات جرم و عصیان کی اٹھ نہیں رہی تھی اور ایک عرب ملک کیا معنی کل دنیا میں اخلاقی ابتری یا انارکی مچی ہوئی تھی قرآن مجید کے جامع الفاظ میں۔

ظہر الفساد فی البر و البحر   بگاڑ پھیل گیا ہے خشکی اور تری میں (سب کہیں)

بما کسبت ایدی الناس (الروم ع ۵)   لوگوں کے اپنے کرتوتوں سے۔

مومنین کا طبقہ جو ہر مفسدہ کی اصلاح کا بیڑا ہی اٹھا کر وجود میں آیا تھا۔ اور جس کے پروگرام میں اللہ کی زمین پر صحیح عدالت و ربانی ریاست کا قیام داخل تھا وہ خود ہی ظالموں اور کافروں کے ہاتھ سے ظلم و ستم کا خصوصی تختۂ مشق بنا ہوا تھا۔

اپنے مولد و مرکز یعنی شہر مکہ میں اللہ کے رسول اور اس کے پیروؤں پر جو گزرتی رہی، اس سے آپ ہجرت کے ذیل میں واقعات سن کر کچھ واقف ہی ہو چکے ہیں. اب وقت وہ ہے کہ مکہ کے یہ مظلوم مہاجر ملک کے ایک دور دراز شہر یثرب میں آکر آباد ہوئے ہیں. اور اس کا نام مدینۃ النبی پڑ چکا ہے. لیکن مظلومیت میں اب بھی کچھ فرق نہیں پڑا ہے بلکہ مصائب کا بار گراں سے کچھ گراں تر ہی ہوتا جا رہا ہے؎۱

جب حالات اس درجہ ناقابل برداشت ہو چکے. اور صبر و ضبط اپنی حد کو پہنچ چکا. تو اب اذن خداوندی ان مردان خدا کو ملا. کہ اب تم بھی اس ظلم کے خلاف تلوار اٹھاؤ. اور جو تم پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں. ان کا مقابلہ مردانہ وار تم بھی کرو.

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ

(الحج ع ۲)

جن لوگوں کے خلاف قتال کیا جا رہا ہے. اب انھیں بھی اذن (قتال) ملتا ہے. اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ بیشک ان کی مدد پر قادر ہے. یہ وہ لوگ ہیں، جنھیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے بغیر کسی قصور کے سوا اس کے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے.

؎۱ صاحب سیرۃ النبی، مولانا شبلی کے الفاظ میں. بہ حوالہ سنن ابی داؤد:۔

"قریش مکہ نے سرداران مدینہ پر زور ڈالنا اور دھمکانا شروع کر دیا تھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے. تو یا تو اسے قتل کر ڈالو یا اپنے ہاں سے نکال دو. اور یہ نہ کیا تو ہم تمھارے اوپر چڑھ دوڑیں گے. اور تمھیں ختم کر کے تمھاری عورتوں کو اپنے تصرف میں لے آئیں گے"

تو قتال کی اجازت مومنین کو جبھی ملی۔ جب ان کی مظلومیت کمال کو پہنچ چکی تھی اہل تفسیر کہتے ہیں کہ یہی سب سے پہلی آیت ہے جو اجازت قتال کے بارے میں نازل ہوئی ایک اور قول نقل ہوا ہے کہ پہلی آیت قتال کی یہ نہیں، بلکہ یہ ہے۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین	قتال کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے
یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ	قتال کرتے ہیں اور زیادتی نہ کر بیٹھنا بیشک اللہ
لایحب المعتدین۔ (البقرہ ع ۲۴)	زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بہر حال سلسلہ قتال کی پہلی آیت وہ ہو یا یہ ظاہر ہے کہ حکم قتال مومنین کو جبھی ملا۔ جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ زمانہ قیام مکہ میں مشرکین مکہ نے آپ کے ساتھ جو حرکتیں کیں۔ اس سے تو آپ لوگ واقف ہو ہی چکے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ترک وطن کے بعد بھی عناد دلوں سے نہ گیا۔ اور اتنے دور بلکہ اس وقت کے معیار سے دور دراز شہر میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی معاندانہ کاروائیاں برابر جاری رہیں ــــــ غرض یہ کہ حکم قتال کی تعمیل میں آپؐ نے خود بھی قتال شروع کیا۔ اور اسی کا نام اصطلاح فقہ میں جہاد پڑ گیا۔ ورنہ محض جنگ کے لئے اب تک لفظ حرب عام تھا۔ رسول اللہ صلعم کی ان ربانی مہموں کے لئے محدثین و فقہاء کے ہاں اصطلاح غزوات کی رائج ہے حضورؐ نے غزوات متعدد فرمائے۔ محدثین و اہل سیر کے ہاں ان کی تعداد ۱۹ یا ۲۱ درج ہے۔ آئیے ان میں سے اہم ترین پر قرآن مجید کی روشنی میں نظر کرتے چلیں۔

غزوۂ بدر

پہلا بڑا غزوہ، غزوۂ بدر کہلاتا ہے۔ اس مناسبت سے کہ یہ مقام بدر پر واقع ہوا تھا۔ بدر ایک سرسبز منڈی اور منزل کا نام تھا، جو مدینہ کے جنوب مغرب میں وہاں سے تین یا چار منزل کے فاصلہ پر تھی۔ قرآن مجید

میں اس غزوۂ کا بیان آیا ہے۔ اشارۃً کنایۃً نہیں بلکہ تصریح سے اور اس تفصیل کے ساتھ جس کا یہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے مستحق بھی تھا۔ ختم غزوہ کے ایک عرصہ بعد ایک دوسرے موقع پر اس کا تذکرہ نہ صرف نام کی صراحت کے ساتھ۔ بلکہ محل امتنان پر بھی لایا گیا ہے۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون (آل عمران ع ۱۳)	اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد بدر میں کی۔ درآنحالیکہ تم بہت کمزور تھے۔ پس اللہ سے تقویٰ اختیار کرو شاید کہ شکرگزار بن جاؤ۔

لشکر اسلام کی اس "کمزوری" کی تفصیل و تشریح حدیث و سیرۃ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمان تعداد میں بھی بہت کم تھے۔ اور سامان جنگ کے لحاظ سے بھی بہت پست تھے۔ اس لئے بہت سے مسلمان قدرتاً اس موقع پر جنگ سے بچنا چاہتے تھے۔ لیکن اللہ اپنے فضل سے۔ لشکریوں کے اس تذبذب کے باوجود سردار لشکر کو میدان جنگ میں لے آیا۔

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکارھون (الانفال ع ۱)	جس طرح آپ کا پروردگار آپ کو (اے پیغمبر) حق کے ساتھ آپ کے گھر سے (بدر تک) لے آیا حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ (اس سے) ناخوش تھا

اپنے ضعف، قلت سامان. غرض ہر مادی معیار سے ان لوگوں کا تامل ایک امر طبعی تھا۔ اور یہ ایسے نامساوی معرکہ کو خودکشی کا مرادف سمجھ رہے تھے۔ اور اسی لئے وہ رسول اللہ سے بحث کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔

یجادلونک فی الحق بعد ماتبین	یہ لوگ آپ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے جھگڑتے

کانما یُساقون الی الموت وھم	ہیں گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں
ینظرون (الانفال ع ۱)	اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل بہ طور جملہ معترضہ کے یہ بھی سن لیجئے کہ یہی وہ اسلامی فوج ہے جس کے لئے مغربی اہل قلم کا یہ مستقل طنز ہے کہ یہ مال غنیمت اور لوٹ مار کے حریص مشرکوں پر خواہ مخواہ لوٹ پڑا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی شہادت اس کے برعکس کتنی واضح و صریح یہ ہے کہ انھیں بعض اوقات ٹھیل کر ڈھکیل کر میدان میں لانا پڑتا تھا۔

ہاں اب پھر اصل قصہ سنئے۔ اس وقت مسلمانوں کو احتمال دو گزر رہے تھے ایک یہ کہ ممکن ہے مڈ بھیڑ قریش کی فوج سے ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ مقابلہ کی نوبت صرف تجارتی قافلۂ قریش سے رہے جو شام سے واپس ہو رہا تھا اور وعدۂ نصرت الٰہی کے باوجود مسلمان طبعی طور پر پسند اس آسان ترشق کو کر رہے تھے۔ اور آرزو یہ رکھتے تھے کہ سامنا فوجی خطرہ کا نہ کرنا پڑے بلکہ محض کاروان تجارت سے نپٹ کر واپس چلے آئیں قرآن مجید کا پورا بیان سنئے:۔

واذ یعدکم اللہ احدی	اور اللہ جب تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو گروہوں
الطائفتین انھا لکم وتودون	میں سے ایک تمھارے لئے ہے اور تم آرزو رکھتے
ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم	تھے کہ وہی گروہ تم کو ملے جس میں کوئی خدشہ
ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمٰتہٖ	نہ تھا (لڑائی) نہیں، حالانکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ حق
ویقطع دابر الکافرین لیحق	کو اپنے حکم سے ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ
الحق ویبطل الباطل ولو	دے تاکہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے۔
کرہ المجرمون (الانفال ع ۲)	چاہے یہ مجرموں کو ناگوار ہی گزرے۔

لشکر اسلام اس وقت فریاد اضطرار برپا کر رہا تھا۔ فریاد رائگاں نہ گئی۔ سن لی گئی اور دلوں میں اطمینان مزید پیدا کرنے کی غرض سے ارشاد بھی صاف ہوگیا کہ تمہاری امداد کو فرشتے بھی ایک ہزار بھیجے جا رہے ہیں۔ قرآن مجید نے اس اہم ترین غزوۂ محمدی کی یہ تفصیل بھی محفوظ رکھی ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے :۔

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملٰئکۃ مردفین وما جعلہ اللہ الا بشریٰ ولتطمئن بہ قلوبکم وما النصر الا من عند اللہ ان اللہ عزیز حکیم (الانفال ع ۱)

یاد کرو وہ وقت جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے۔ اس نے تمہاری سن لی اور (فرمایا کہ) میں تمہاری مدد ایک ہزار مسلسل آنے والے فرشتوں سے کروں گا۔ اور اللہ نے یہ صرف تمہارے خوش کرنے اور تمہارے دلوں کو اطمینان دینے کو کیا۔ ورنہ فتح تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے

اسی جنگ کے دوران میں یہ ہوا کہ حکمت خداوندی سے بارش عین وقت پر اور ایسے موقع سے ہوئی کہ نفع تمامتر مسلمانوں ہی کے فریق کو پہنچا، اور اس سے ان کے وضو غسل وغیرہ کی ضرورتیں سب پوری ہوگئیں اور یہ وسوسۂ شیطانی ان کے دل سے دور ہوگیا، کہ مخذول کہیں ہم ہی تو نہیں۔ نیز انھیں نیند کی جھپک بھی آگئی جس سے وہ تازہ دم ہوگئے۔ دیکھئے قرآن مجید ان سارے جزئیات کو کس طرح اپنے احاطۂ بیان میں لئے ہوئے ہے :۔

اذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ و

یاد کرو وہ وقت جب اللہ اپنی طرف سے تم پر

ینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم	نیند طاری کر رہا تھا۔ تمہارے سکون کے لئے اور
بہ ویذھب عنکم رجز الشیطان	آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک صاف کرے
ولیربط علیٰ قلوبکم ویثبت بہ	اور تم سے وسوسۂ شیطانی دور کرے۔ اور تمہارے دل
الاقدام (الانفال ع ۲)	مضبوط کرے اور تم کو ثابت قدم رکھے۔

قرآن مجید کی اتنی آیتوں سے ضمناً اس کا اندازہ ہوگیا کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان مورخوں اور اہل سیر کے انداز تحریر سے کتنا مختلف ہوتا ہے جس قسم کے جزئیات و تفصیلات اہل روایات کے ہاں جان سخن کا حکم رکھتے ہیں۔ کتاب اللہ انھیں عموماً نظر انداز کر جاتی ہے اور جو گہری حقیقتیں یہ سب بیان کرتی جاتی ہے۔ ان کی طرف عموماً راویوں کا ذہن کبھی نہیں جاتا۔ بہرحال اللہ کو ان مخلص جانبازوں اور ان کے سرور و سرورانہ کی خاطر و دلدہی اس حد تک منظور رہی ہے کہ جو فعل ظاہری طور پر سرزد ان سے ہوئے۔ انھیں منسوب اپنی جانب فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم	ان (دشمنوں) کو تم لوگوں نے نہیں مارا۔ بلکہ
ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ	اللہ نے مارا اور آپ نے پتھر نہیں پھینکا جب
(الانفال ع ۳)	پھینکا۔ بلکہ اللہ نے پھینکا۔

اور لشکر اسلام کو فتح چونکہ اس معرکہ میں نمایاں اور قطعی ہوئی۔ اس لئے مشرکوں کو خطاب کرکے صاف صاف ارشاد ہوا۔ اور وعید و تنبیہ بھی انھیں پوری کر دی گئی۔

وان تستفتحوا فقد جاءکم	اور اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمہارے
الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم	سامنے آموجود ہوا۔ اور تم باز آجاؤ تو تمہارے
وان تعودوا نعد ولن تغنی عنکم	حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم پھر وہی کروگے۔ تو

فئتکم شیئا ولو کثرت وان اللہ مع المومنین
(الانفال ع ۲)

تم بھی پھر وہی کریں گے۔ اور تمہارا مجمع تمہارے ذرا کام نہ آئے گا۔ خواہ (کیسا ہی) بڑا ہو۔ اور اللہ تو مومنوں کے ساتھ ہے۔

اس معرکۂ بدر میں فتح رسول کریمؐ کو ایسی کھلی ہوئی اور اسباب ظاہری کے مقتضا کے اتنے برعکس ہوئی کہ قرآن مجید نے اس کو علانیہ یوم الفرقان (فیصلہ کا دن) قرار دے دیا۔ اور یہ مورخین کو بھی اقرار ہے کہ اگر اسلام کو اس روز فتح کہیں نہ حاصل ہوگئی ہوتی۔ تو عرب ہی کی نہیں دنیا کی تاریخ کا رُخ ہی آج کچھ اور ہوتا!
ایک ضمنی موقع پر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:۔

ان کنتم اٰمنتم باللہ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔
(الانفال ع ۵)

اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن نازل کی یعنی اس دن جب کہ دونوں فریق باہم مقابل ہوئے تھے۔

اور تو اور اس خاص معرکہ کے میدان جنگ کا نقشہ تک قرآن مجید نے ایک خاص زاویۂ نظر سے پیش کر دیا۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے:۔

واذ انتم بالعدوۃ الدنیا وھم بالعدوۃ القصوی والرکب اسفل منکم
(ایضاً)

یہ وہ وقت تھا جب تم (میدان جنگ کے) قریبی کنارے پر تھے اور وہ (یعنی لشکر مشرکین) دور کے کنارے پر اور کاروان تجارت تم سے نشیب میں تھا۔

دُور اور قریب، آیت میں شہر مدینہ کی نسبت و اضافت سے ہے اور

یہ اشارہ ہے ان جغرافی حقیقتوں کی جانب کہ مدینہ والے شمال و مشرق کی طرف سے آئے تھے۔ اور مکہ والوں کا لشکر جنوب و مغرب کی سمت سے آیا تھا۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اس لئے قدرۃً بلند اور قافلۂ تجارت ساحل سمندر سے گزر رہا تھا۔ جو قدرۃً ایک نشیبی علاقہ تھا۔

رسول اللہ صلعم نے معرکۂ جنگ سے قبل ایک رُویا میں لشکر غنیم کو قلیل تعداد میں دیکھا تھا۔ اور اسے صحابیوں سے بیان کیا تھا۔

وَإِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ۔ (الانفال ع ۵)

(یاد کرو وہ وقت) جب اللہ نے آپ کے خواب میں وہ لوگ آپ کو کم دکھائے اور اگر اللہ نے وہ لوگ تم لوگوں کو زیادہ دکھا دیئے ہوتے تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑا اس باب میں کرنے لگتے لیکن اللہ نے تم کو بچا لیا

خواب کی بات تو ختم ہوئی۔ بیداری میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عین معرکۂ قتال میں ہر فریق دوسرے سے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہا۔ اور اندازہ اصلی تعداد سے کم ہی کرتا رہا۔ اگر کہیں اس کے برعکس ہوتا۔ تو عجب نہ تھا کہ کوئی ایک فریق یا دونوں فریق نبرد آزما ہونے کی ہمت ہی نہ کرسکتے اور اس طرح فیصلہ کی بات گول ہی رہ جاتی۔ اس نفسیاتی حقیقت پر قرآن مجید یوں روشنی ڈالتا ہے۔

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے

لیقضی اللہ امرًا کان مفعولاً ﴿الانفال ع ۵﴾ — دکھلایا۔ اور ان کی نظروں میں تمہیں کم کر کے تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا،

سیرۃ کی کتابوں میں آپ نے قریش کے مشہور لیڈر ابوالحکم عمر بن ہشام عرف ومی معروف بہ ابوجہل کی کبر و رعونت کا ذکر پڑھا ہو گا۔ قرآن مجید نے بھی لشکر قریش کی متکبرانہ ذہنیت کی طرف اشارہ تو کر ہی دیا ہے۔

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرًا ورئاء الناس ویصدون عن سبیل اللہ ﴿الانفال ع ۶﴾ — (اے مسلمانوں) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو جنگ کے لئے) اپنے گھروں سے نکلے تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے۔ اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے۔

تاریخ کا بیان ہو کہ یہ غزوہ ۱۷ رمضان ۲ھ مطابق ۵ ارمارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا۔ غزوہ بدر کا ذکر تو نام کی تصریح اور پھر اتنی تفصیلات کے ساتھ جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کی توقع کسی اور غزوہ یا محاربہ سے متعلق تو نہ رکھئے۔ تاہم دوسرے اہم غزوات نبوی کے سلسلہ میں بھی اچھی خاصی رہنمائی قرآن سے ہو جاتی ہے۔

غزوۂ اُحد ایک اور غزوہ کے ذکر کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

واذ غدوت من اھلک تبوئ المومنین مقاعد للقتال واللہ سمیع علیم ﴿آل عمران ع ۱۳﴾ — (اور وہ وقت بھی یاد کیجئے اے پیغمبر) جب ایک صبح آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مناسب مقام پہ لے جاتے ہوئے اور اللہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

ذکر جنگ اُحد کا ہے۔ اُحد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ایک پہاڑی ہے ڈھائی تین

میل کے فاصلہ پر قریش جیسی خود دار اور خود بین قوم کو بدر میں جو شکست فاش نصیب ہوئی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ اس پر چپکے ہو کر بیٹھ رہتے۔ اور اس کا انتقام نہ لیتے۔ ابوجہل کے قتل ہو جانیکے بعد اب ریاست مکہ کی خارجی و داخلی سیادت ابوسفیان صخر بن حرب اموی کے ہاتھ میں تھی۔ اور اسے اموی ہونے کی بنا پر رسول ہاشمی سے خاندانی دشمنی بھی تھی۔ رسول صلعم اس صبح حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے۔ اذ غدوت من اھلک میں اشارہ اسی جانب ہے مقاعد للقتال کا لفظ بھی ناقابل توجہ نہیں۔ جنگ میں پوزیشن Position کی اہمیت تو آج بھی مسلم ہے! اور فن حرب (ملٹری سائنس) کی تازہ کتابوں میں بھی صفحہ صفحہ اس کے لئے وقف رہتے ہیں۔ چہ جائیکہ اس دور میں جب جنگ نام ہی دست بدست جنگ کا تھا۔ ضمناً اس سے روشنی اس حقیقت پر بھی پڑ گئی۔ کہ حضور صلعم ایک بہترین سردار فوج بھی تھے جیسا کہ حال میں ایک مسلم ملک کے ایک میجر جنرل نے اپنی کتاب حدیث دفاع میں تفصیل سے دکھایا ہے۔

اس سے آگے کی آیت بھی اہمیت میں کچھ کم نہیں۔

اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔	جب تم میں سے دو گروہ اس کا خیال کر بیٹھے تھے کہ ہمت ہار دیں درآنحالیکہ اللہ ان دونوں کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ پر اعتماد رکھنا ہی چاہیئے۔
(ایضاً)	

سیرۃ کی کتابوں میں ان دونوں گروہوں یا ٹکڑیوں کے نام درج ہیں۔ ایک قبیلۂ اوس کے بنی حارثہ کا تھا۔ اور دوسرا قبیلۂ خزرج کے بنی مسلمہ کا۔ انھیں یہ خیال اپنی قلت تعداد و قلت سامان وغیرہ ضعف مادی کی بنا پر ہوا تھا۔ اس لئے کہ تاریخ کا بیان ہے

کو مسلمانوں کا لشکر ایک ہزار کی تعداد میں تھا۔ اور اس میں سے منافق لیڈر عبداللہ بن ابی سلول کے عین وقت پر نکل جانے سے کل سات ہی سو رہ گیا تھا مشرکین مکہ کا لشکر ۳ ہزار تھا جس میں دو سو سوار تھے۔ غرض یہ کہ کسی ضعف ایمانی کا قدم درمیان میں نہ تھا اور پھر یہ خیال بھی وسوسہ ہی تک رہا۔ عزم کے درجہ تک نہ پہنچنے پایا جیسا کہ واللہ ولیھما کے لفظ سے ظاہر بھی ہو رہا ہے۔

اس جنگ میں بھی رسول اللہ ایک اچھے جنرل کی طرح اپنی سپاہ کی خوب ہمت افزائی کر رہے تھے اور اللہ کے سچے رسول کی طرح مومنین کو تائید غیبی اور لشکر ملائکہ کی شرکت کا یقین دلا رہے تھے۔ قرآن میں خود رسول ہی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثۃ آلاف من الملائکۃ منزلین بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھٰذا یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملائکۃ مسومین (ایضاً)

(وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے؟ ہاں کیوں نہیں۔ بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا۔ اور وہ لوگ تم پر فوراً ہی آ پڑے۔ تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے۔

اس جنگ کے نتیجۂ ناموافق کے امکان کی خبر اور پھر اس پر تسلی عالم الغیب نے اپنی کتاب مبین میں پہلے ہی سے درج کر دی تھی ملاحظہ ہو۔

ان یمسسکم قرح فقد

اگر تم لوگوں کو کوئی زخم پہنچ جائے تو ان لوگوں

مسّ القوم قرح مثله وتلک الایام نداولها بین الناس۔ (آل عمران ع ۱۴)

یعنی (مشرکوں) کو بھی تو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام (یعنی زمانہ) کی الٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں (تکوینی مصلحتوں سے)

چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ اس جنگ میں کچھ دیر کے لئے ہزیمت کے پورے آثار مسلمانوں پر مسلط و مرتب رہے لیکن اس عارضی ہزیمت کے باوجود جنگ کے مستقل اور آخری انجام سے متعلق کوئی تذبذب یا دغدغہ نہ تھا۔ ارشاد ہو گیا تھا کہ

ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون (الانفال ع ۴)

بیشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں۔ سو یہ لوگ مال خرچ تو کرتے ہی رہیں گے لیکن وہ ان کے حق میں باعث حسرت بن جائے گا۔ اور پھر وہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔

اہل سیرۃ کا بیان اسی آیت کی شرح میں ہے، کہ قریش کا لیڈر ابوسفیان صخر بن حرب تجارت شام سے خوب مالا مال ہو کر لوٹا تھا۔ اس سے سرداران قریش نے مطالبہ کیا تھا کہ یہ سب مسلمانوں کو شکست دینے اور اُن سے انتقام لینے میں لگایا جائے۔ اور اس پر عمل ہوا تھا۔

یہ دُور کی بات بھی قرآن مجید نے بتا دی تھی کہ عارضی غلبہ اور وقتی تفوق کے باوجود مشرکین اپنے اندر ہمت نہ پا سکیں گے۔ اور شوکت اسلام و مسلمین سے مرعوب ہی رہیں گے

سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا (آل عمران ع ۱۶)

ہم ابھی کافروں کے دلوں میں ہیبت بٹھا دیں گے اس لئے کہ انھوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرا لیا ہے جس کے لئے کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری ہے

اس مرعوبیت کا ظہور یوں ہوا کہ حسب تصریح مورخین، مشرکین اپنی عارضی فتح کے باوجود مسلمانوں کے تعاقب کی جرأت نہ لا سکے۔ اُلٹے پاؤں مکہ کو واپس ہوئے۔ اور یہ خود مسلمان ہی تھے۔ جنھوں نے اپنے بے مثال و بے عدیل سالارِ لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل آگے بڑھ کر حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ اور یہاں تین دن تک اپنا پڑاؤ پوری آن بان کے ساتھ قائم رکھا۔

معرکۂ اُحد میں شروع شروع مسلمانوں کو اپنی قلت جمعیت و قلت سامان کے باوجود برابر غلبہ رہا۔ لیکن امکانات جنگ کا بالکل صحیح اندازہ فرما کر رسول اللہ صلعم نے پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ شروع ہی میں ایک بلند ٹیکری پر ایک گھاٹی میں متعین کر دیا تھا۔ اور اس کو تاکید کر دی تھی کہ اس مورچہ سے کسی حال میں بھی نہ ہٹے لیکن جب مشرکوں کو شکست ہوئی اور ان کا سامان لٹنے لگا تو یہ دستہ اس حکم کی تعمیل پر قائم نہ رہا۔ بلکہ اس میں سے ۴۰ تیر انداز یہ سمجھ کر کہ اب لڑائی ختم ہو چکی مالِ غنیمت کی لوٹ میں شریک ہو گئے۔ گھاٹی والا مورچہ خالی پا کر خالد بن ولید جو اس وقت تک مشرکوں میں شامل تھے۔ اپنے سواروں کو لے کر عقب سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور مسلمانوں کی فتح کچھ دیر کے لئے شکست میں تبدیل ہو گئی ـــــ تاریخ کی ان سادی تصریحات کو دیکھئے قرآن مجید کس ایجاز و اعجاز کے ساتھ اپنے رنگ میں بیان کرتا ہے

ولقد صدقکم اللہ وعدہٗ	اور یقیناً اللہ نے اپنا وعدۂ (نصرت) سچ
اذ تحسونھم باذنہ حتیٰ	کر دکھایا جبکہ تم مشرکوں کو اس کے حکم سے قتل کر
اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر	رہے تھے یہاں تک کہ تم خود ہی کمزور پڑ گئے۔ اور
وعصیتم من بعد ما اراکم	حکم (رسول) کے باب میں باہم جھگڑنے لگے اور نافرمانی

ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین (ایضاً)

کی۔ بعد اس کے کہ اللہ نے تمھیں دکھا دیا جو کچھ تم چاہتے تھے۔ کچھ تم میں سے وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ تم میں سے وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے پھر اللہ نے تم کو ان مشرکوں سے ہٹا لیا تاکہ تمھاری پوری آزمایش کرے اور یقیناً اللہ نے تم سے درگزر کی اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا صاحب فضل ہے

فوج کے جب پیر اکھڑتے ہیں۔ اور بھگدڑ پڑ جاتی ہے۔ تو افراتفری ہر قسم کی واقع ہونے لگتی ہے۔ اور اس وقت ثابت قدمی عام انسانوں کا کام نہیں۔ اس موقع پر لشکر اسلام کا سپہدار اعظم، جو علاوہ تدبیر جنگ کے، ذاتی شجاعت و ہمت کے لحاظ سے بھی فرد فرید و بے عدیل تھا۔ باوجود زخمی ہونے کے اپنی جگہ پر ثابت و قائم رہا۔ اور دوسروں کو پکارا کیا کہ ادھر آؤ میں ادھر ہوں۔ لیکن بدحواسی میں بھاگنے والوں کے اتنے ہوش ہی کہاں تھے۔ قرآن مجید نے ایسوں کو مواخذۂ آخرت سے تو بری کر دیا جیسا کہ ابھی لقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین سے واضح ہو چکا ہے لیکن جنھوں نے وقتی نافرمانی کر کے رسول اللہ کو اذیت پہنچائی۔ تو لازم ہوا کہ خود انھیں بھی اذیت پہنچ نے یہ ساری سرگزشت چند لفظوں کے اندر قرآن کی زبان حقیقت ترجمان سے سنئے

اذ تصعدون ولا تلوٗن علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غمًا بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم (بھاگتے ہوئے) چڑھے چلے جا رہے تھے۔ اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمھارے پیچھے کی جانب سے سو اللہ نے تمھیں غم دیا غم کے

ولا ما اصابکم واللہ خبیرٌ بما تعملون ۔ (ایضاً)

پاداش میں تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔

جنگ بدر کی طرح اس جنگ میں بھی یہ ہوا کہ مسلمانوں کی خستہ فوج کو آرام کی سخت ضرورت تھی۔ اللہ نے ان پر یہ فضل کیا، کہ دوپہر کے وقت ان پر نیند طاری کر دی۔ اس سے یہ تھکی ماندی فوج تازہ دم ہو گئی۔ اس حقیقت کا عکس قرآن مجید کے آئینہ میں ملاحظہ ہو:۔

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاساً یغشیٰ طائفۃ منکم (ایضاً)

پھر اللہ نے اس غم کے بعد تمہارے اوپر راحت نازل کی۔ یعنی غنودگی جس کا غلبہ تم میں سے ایک جماعت پر پورا تھا۔

جنگ اُحد کی بعض منزلوں میں مومنین مخلصین کے ساتھ ساتھ منافقین مدینہ بھی تھے جو یہ ہانک لگائے ہوئے تھے کہ یہ مصیبت تو مسلمانوں کی اپنی لائی ہوئی ہے۔ ورنہ ہم تو شروع ہی سے جنگ و مقابلہ کے مخالف تھے۔ ہماری سنتا کون ہے۔ ہماری سن لی گئی ہوتی تو یہ نوبتیں ہی کیوں آتیں، قرآن مجید نے ان جزئیات کو ضبط بیان میں لا کر واقعہ کے اس پہلو کو بھی حیات دوام بخش دی:۔

وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شیٔ .... یقولون

اور یہ گروہ وہ تھا۔ جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ یہ اللہ کے بارے میں خلاف حقیقت خیالات قائم کر رہے تھے، جاہلیت کے خیالات وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے...

لو کان لنا من الامر شئ ما — یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اگر کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم
قتلنا ھٰھنا (ایضًا) — یہاں نہ مارے جاتے۔

صحابۂ مخلصین سے بھی فطری بشری کمزوریوں کی بنا پر جو لغزشیں سرزد ہو گئی تھیں اُن سے انھیں گو پروانۂ عفو مل گیا تھا۔ پھر بھی تنبیہ خاص انھیں بھی کر دی گئی:

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم (ایضًا)

یقینًا تم میں سے جو لوگ اس دن پھر گئے تھے جس دن کہ دونوں فریق باہم مقابل ہوئے تھے، تو یہ تو بس اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے انھیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دی تھی اور بیشک اللہ انھیں معاف کر چکا ہوا یقینًا اللہ بڑا مغفرت والا۔ بڑا حلم والا ہے۔

ان نافرمان سپاہیوں کا قصور بہ ظاہر بہت سخت تھا۔ عین معرکۂ جنگ میں ایک نازک موقع پر اپنے جنرل کی عدول حکمی کر کے اپنی اور اپنے جنرل دونوں کی تفضیح کا سبب بن رہے تھے۔ اور اپنی خود رائی سے ساری اُمت کو اذیت پہنچا دی تھی لیکن دنیوی افسروں، سرداروں، جنرلوں کے برخلاف حضورؐ نے ان کے ساتھ معاملہ شفقت و ملاطفت ہی کا رکھا۔ قرآن مجید اس طرز معاملت کی گواہی ان الفاظ میں دیتا ہے:

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم (آل عمران ع ۱۷) — پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے۔

اہل سیر و تاریخ کا بیان ہے کہ اُحد میں ستّر مسلمان شہید ہوئے۔ اور اس سے قبل بدر میں مشرک ۷۰ کی تعداد میں قتل اور ۷۰ ہی کی تعداد میں گرفتار ہو چکے تھے

قرآن مجید نے رمز و کنایہ میں یہ حقیقت بھی دُہرادی ہے۔

اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا قلتم انیٰ ھٰذا قل ھو من عند انفسکم ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر (ایضاً)

اور جب تم کو ایسی ہار اٹھانا پڑی جس کی دوگنی تم حریف پر ڈال چکے تھے۔ تو تم کہنے لگے کہ یہ کدھر سے ہوئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ تمھاری ہی طرف سے ہوئی۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اسی میں مسلمانوں کی اس طبعی حیرت کا جواب بھی آگیا۔ کہ ہم اللہ کے صاحب ایمان بندے۔ اللہ کی راہ میں لڑنے والے۔ پھر رسولؐ ہم میں موجود اس پر بھی شکست ہمیں کو! انھیں بتادیا گیا کہ ہمارا وعدہ فتح و نصرت تو تمھاری طاعت و اطاعت کے ساتھ مشروط تھا جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا۔ تو وہ وعدہ باقی کہاں رہا۔ اور ہم قادر جس طرح فتح دینے پر ہیں۔ اسی طرح اس سے محروم کر دینے پر بھی انیٰ ھٰذا قل ھو من عند انفسکم ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔ جواب ابھی ختم نہیں ہوا۔ آگے چل رہا ہے۔

وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین نافقوا (ایضاً)

اور جو مصیبت تم پر اس روز پڑی جبکہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئی تاکہ وہ جان لے مومنین کو بھی اور جان لے ان لوگوں کو بھی جنھوں نے منافقت اختیار کی تھی۔

روایات تاریخ میں آتا ہے کہ عین معرکۂ قتال سے قبل قبیلۂ خزرج کا ایک منافق سردار اپنی تین سو کی جمعیت کے ساتھ لشکر اسلام سے الگ ہوگیا تھا۔ اور اس طرح منا- جو اب تک مارِ آستین بنے ہوئے تھے ان کا پردہ فاش ہوکر رہا۔ اس غزوہ کی تاریخ اہل سیر نے لکھا ہے کہ ۲۷ شوال ۳ھ ہجری مطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء تھی۔

غزوۂ بدرِ ثانیہ

غزوہ اُحد کے اتنے تفصیلی تذکرہ سے متصل اور گویا اسی کی پیٹ میں ایک اور غزوہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے جس میں لشکر اسلام پوری ہمت و عزم کے ساتھ میدان جنگ میں آحاضر ہوا۔ لیکن فریق مخالف جو کہاں تو مسلمان کو ڈرا دھمکا رہا تھا اور کہاں خود ہی خائف و مرعوب ہوگیا۔ ہمت چھوٹ گئی۔ آدھے راستے تک آکر واپس چلا گیا۔ اور نوبت قتال کی نہ آئی ـــــ قرآن مجید کا بیان سنئے:۔

الذین استجابوا للّٰہِ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللّٰہ وفضل لم یمسسھم سوء (آل عمران ع ۱۸)

(یہ وہ لوگ ہیں) جنھوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا بعد اس کے کہ انھیں زخم لگ چکا تھا۔ ان میں سے جو نیک و متقی ہیں (اور وہ سب ہی ہیں) ان کے لئے اجر عظیم ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمھارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کرلیا ہے۔ ان سے ڈرو۔ لیکن اس نے ان کا جوش و ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے یہ لوگ اللہ کے انعام و فضل کے ساتھ واپس آگئے انھیں کوئی ناگواری (ذرا بھی) پیش نہ آئی۔

حرب اعصاب یا سرد جنگ کی آوازیں آپ چند سال سے ہر طرف سے سن رہے ہیں۔ اہل عرب بھی اس سے ناواقف نہ تھے۔ بلکہ اس وقت کا مکی لیڈر ابو سفیان

صخر بن حرب اموی. کہنا چاہیئے کہ اس فن کا ماہر تھا۔ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ اس نے معرکۂ احد کے بعد اپنے خاص آدمیوں کے ذریعہ یہ پروپیگنڈا مدینہ میں شروع کرا دیا تھا کہ قریش کی طاقت کے پیش نظر اب ان سے ٹکر لینا آسان نہیں۔ ایمان کے پختہ مسلمان یہ خبریں سن سن کر ذرا بھی بددل یا ہراساں نہ ہوئے اور رسول اسلام صلعم لشکر لے کر نکلے۔ مقام بدر تک پہنچے۔ آٹھ روز وہاں قیام فرمایا۔ ادھر مکی لیڈر ابو سفیان بھی فوج لے کر چلا۔ لیکن ہمت جواب دے گئی۔ کچھ دور چل کر راستہ سے واپس چلا گیا۔ اور مسلمان بلا کسی قسم کا نقصان اٹھائے خوش خوش مدینہ واپس آ گئے۔ تاریخ کی کتابوں میں اس غزوہ کا نام بدر ثانیہ آیا ہے اور اس کا زمانہ ذی قعدہ ۴ھ ہجری یا اپریل ۶۲۶ء بتایا گیا ہے اور روایتوں میں آتا ہے کہ اس وقت اسلامی لشکر میں ۱۵۰۰ پیدل اور ۱۰ سوار تھے اور اہل مکہ کے لشکر میں ۲۰۰۰ پیدل اور ۵۰ سوار۔

غزوہ بنی نضیر

اب تک جن غزوات کا ذکر آپ نے سنا، یہ سب مشرکین مکہ کے مقابلہ میں تھے۔ جو مکہ سے چڑھائی کر کے اطراف مدینہ تک آتے تھے۔ لیکن مدینہ سے عین متصل آبادی یہود کی بھی تھی۔ آنحضرت ؐ نے ایک اعلیٰ مدبر و حکیم السیاست کی طرح ورود مدینہ کے بعد ہی ان سے دوستانہ معاہدہ کر لیا تھا لیکن ان کے ایک بڑے گروہ نے جو بنی نضیر کہلاتے تھے۔ کچھ ہی روز بعد بد عہدی شروع کر دی اور مسلمانوں کی ایذا پر کمربستہ ہو گئے۔ بالآخر ان پر فوج کشی ہوئی۔ انہیں بڑا ناز اپنی قلعہ بندی پر تھا۔ اس کے باوجود شکست ان کے نصیب میں آئی۔ سزا ان کے لئے جلا وطنی تجویز ہوئی اور یہ لوگ مدینہ سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

قرآن مجید یہ ساری روداد اپنے معجزانہ انداز میں یوں ادا کرتا ہے۔

هو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب من دیارھم لاول الحشر ما ظننتم ان یخرجوا وظنوا انھم مانعتھم حصونھم من اللہ فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبھم الرعب یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار

وہ اللہ وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کرکے نکال دیا تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود ان کا خیال تھا کہ ان کے قلعے انھیں اللہ کی گرفت سے بچالیں گے سو اللہ کا عذاب انھیں ایسی جگہ پہنچا کہ انھیں خیال بھی نہ تھا۔ اور اللہ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی سو اے دانش والو۔ تم عبرت حاصل کرو۔

(الحشر ع ۱)

مورخین نے لکھا ہے کہ وطن چھوڑتے ہوئے ایک ہتھیاروں کی اجازت تو نہ تھی، باقی یہ سارا اثاث البیت ساتھ لیتے گئے۔ یہاں تک کہ گھروں کے دروازے کی چوکھٹیں بھی بنی نضیر حضرت ہارونؑ کی اولاد میں تھے اس لئے علاوہ اپنی دولت و ثروت کے یہود میں دینی پیشوائی کا مرتبہ بھی رکھتے تھے۔ لیکن یہ چیز بھی انھیں عذاب الٰہی کی گرفت سے نہ بچا سکی۔ پھر بھی چونکہ انھوں نے شروع ہی میں ہتھیار رکھ دیئے تھے۔ سخت تر اور انتہائی سزا یعنی قتل سے بچ گئے۔ ارشاد ہوا ہے۔

ولولا ان کتب اللہ علیھم الجلاء لعذبھم فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب النار

اور اگر اللہ نے ان کے حق میں جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انھیں عذاب دیتا (یعنی قتل عام کا) اور آخرت میں تو انھیں دوزخ کا

(ایضاً) عذاب ہونا ہی ہے۔

ان لوگوں سے باقاعدہ مقابلہ کی تو نوبت آئی نہ تھی صرف محاصرہ کی شدت کو قوی موثر بنانے کے لئے اور تیر اندازی وغیرہ کی جنگی ضرورتوں سے لشکر اسلام کو یہ کاروائی کرنا پڑی تھی کہ کھجوروں کے باغ جو بنی نضیر کے اردگرد لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض کو کاٹ دیا۔ اس پر ان لوگوں نے بڑی فریاد برپا کی۔ قرآن مجید میں یہ جزئیات بھی مع جواب موجود ہیں۔ مسلمانوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

ما قطعتم من لینة او	کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹے یا انہیں ان کی
ترکتموھا قائمة علیٰ اصولھا	جڑوں پر قائم رہنے دیا تو یہ (دونوں ہی باتیں)
فباذن اللہ و لیخزی الفاسقین	اللہ کے حکم کے موافق ہیں اور تاکہ اللہ (اس
(ایضاً)	سے) نافرمانوں کو رسوا کرے۔

قرآن مجید نے جو جواب دیا ہے۔ اس کی شرح و تعبیر مختلف پہلوؤں سے کی جا سکتی ہے اور قدیم و جدید مفسروں نے مختلف و متعدد پہلو اختیار بھی کئے ہیں۔ لیکن یہ تفسیری بحثیں ہیں۔ سیرۃ نگار کے کام کی نہیں۔ اس کے کام کی چیز تو بس یہ ہے کہ چونکہ یہ فتح مبین بغیر کسی خونریزی کے اور بغیر مسلمانوں کے کسی خفیف نقصان کے انہیں حاصل ہوگئی تھی اس لئے قرآن مجید نے اللہ کے اس احسان کو بھی نمایاں کیا ہے۔

وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم	اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوادیا
فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب	سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ
ولکن اللہ یسلط رسلہ علیٰ من یشاء	لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما
واللہ علیٰ کل شی قدیر (ایضاً)	دیتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

مدینہ کے پُر قوت و ذی اثر منافقین نے بڑے بڑے وعدے امداد و رفاقت کے ان یہود سے کر رکھے تھے کہ قتال ہو یا جلاوطنی ہم تمہارا ساتھ بہرصورت دیں گے۔ قرآن مجید نے زور تاکید کے ساتھ پیش خبری کر دی تھی کہ ایسا نہیں ہونے کا۔ یہ وعدہ کرنے والے عین وقت پر دغا دے جائیں گے۔

الم تر الی الذین نافقوا یقولون لاخوانہم الذین کفروا من اھل الکتاب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احداً ابداً وان قوتلتم لننصرنکم واللہ یشھد انھم لکاذبون لئن اخرجوا لا یخرجون معھم ولئن قوتلوا لا ینصرونھم ولئن نصروھم لیولن الادبار ثم لا ینصرون

(الحشر ع ۲)

کیا تم نے نظر نہیں کی کہ منافقین اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے۔ تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہیں مانیں گے۔ اور اگر کسی کی تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اہل کتاب اگر نکالے گئے۔ تو یہ لوگ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ لوگ ان کی مدد نہ کریں گے۔ اور اگر مدد کی بھی تو دیر، پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ ہوگی۔

اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ جب بنی نضیر پر وقت پڑا اور ان کا شدید محاصرہ ہوا تو منافقین میں سے کوئی بھی مدد کو نہ پہنچا۔ قرآن مجید نے ان منافقین کی ذہنیت کی بھی تھوڑی سی تشریح و تحلیل کر دی ہے، وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔

لا انتم اشد رھبۃ — بیشک ان لوگوں کے دلوں میں تمہارا خوا

فی صدورھم من اللہ ذالک بانھم قوم لا یفقھون لا یقاتلونکم جمیعًا الا فی قری محصنۃ او من وراء جدر باسھم بینھم شدید تحسبھم جمیعًا و قلوبھم شتیٰ ذالک بانھم قوم لا یعقلون۔ (ایضًا)

اللہ سے بھی زائد ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے۔ مگر ہاں قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے اور (اے مخاطب) تو انھیں باہم متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلوب ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

بنی نضیر کی شکست اور جلا وطنی کا واقعہ ربیع اول سنہ ۴ ہجری مطابق اگست سنہ ۶۲۵ء کا ہے۔

بنی قینقاع لیکن اس سے کوئی دو سال قبل تقریبًا بالکل یہی صورت یہود ہی کے ایک دوسرے قبیلہ بنی قینقاع کو پیش آ چکی تھی اور نضیر والوں نے ذرا سبق اس سے نہ لیا تھا۔ قرآن مجید نے بنی نضیر ہی کے سلسلہ میں ادھر بھی اشارہ کر دیا ہے۔ یا ایسا اشارہ جو قائم مقام صراحت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

کمثل الذین من قبلھم قریبًا ذاقوا وبال امرھم ولھم عذاب الیم (ایضًا)

ان لوگوں کی مثال اُن لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہو چکے ہیں۔ وہ اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے

یہود کا یہ قبیلہ بھی حوالیٔ مدینہ میں آباد تھا۔ اور یہود کے تینوں قبیلوں میں شجاع ترین تھا۔ انھیں بھی بڑا ناز اپنے قلعوں یا گڑھیوں پر تھا۔ انھوں نے علاوہ

اپنی عہد شکنیوں کے اپنی فردِ جرم میں اضافہ ایک انصاری خاتون کی توہین کر کے بھی کیا تھا۔ بالآخر ان کا محاصرہ کیا گیا۔ اور انھیں بھی سزائے جلاوطنی ملی تھی۔
تاریخ میں اس کا زمانہ شوال ۳ھ ہجری یا اپریل ۶۲۴ء ثبت ہے۔

غزوۂ بنی قریظہ

یہود کے تیسرے قبیلہ کا نام بنی قریظہ تھا۔ یہ بھی حوالیٔ مدینہ میں آباد تھے اور ان کے اور بنی نضیر کے درمیان حدِ فاصل کچھ باغ تھے۔ بدزبانی اور شرانگیزی میں یہ شاید اوروں سے بھی کچھ بڑھے ہوئے تھے بار بار مسلمانوں کے حلیف بنتے تھے۔ اور پھر عہد توڑ دیتے تھے یہاں تک کہ ایک بار کھلم کھلا جنگ میں مشرکین مکہ کے شریک ہو گئے۔ آخر رسول اللہ نے ان پر بھی فوج کشی کی۔ اور دس روز کے محاصرہ میں یہ اپنی جان سے عاجز آ گئے۔ اپنی قسمت کا فیصلہ انھوں نے مدینہ کے مشہور سردار قبیلہ اوس سعد بن معاذؓ پر چھوڑا۔ اور پھر انھیں کے فیصلہ کے مطابق ان کے مرد قتل کر دئے گئے اور ان کے بچے اور عورتیں گرفتار ہو کر آئے
—— قرآن مجید میں رسول کو خطاب کر کے یوں ارشاد ہوا ہے:۔

الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون (الانفال ع ۸)	یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ عہد بار بار لے چکے ہیں۔ پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اس سے) ڈرتے نہیں تو آپ انھیں اگر جنگ میں پا جائیں تو انھیں ایسی سزا دیں کہ دوسرے بھی سمجھ جائیں۔

اور دوسری جگہ یہ ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو اس موقع پر تو جنگ کرنا ہی نہ پڑی اور غزوۂ احزاب میں جن یہود یعنی انھیں بنی قریظہ نے مشرکین و معاندین اسلام

کا ساتھ دیا تھا۔ آخر مسلمانوں سے مرعوب و خائف ہو کر انہیں خود اپنے قلعے چھوڑنے پڑے اور قتل و اسیری دونوں کی سزائیں بھگتنا پڑیں۔

وکفی اللہ المومنین القتال	اور جنگ میں اللہ خود ہی مومنین کے لیے کافی ہو گیا
وکان اللہ قویا عزیزا وانزل الذین	اور اللہ تو ہے ہی بڑا قوت والا اور بڑا زبردست
ظاھروھم من اھل الکتاب من	اور جن اہل کتاب نے ان کی (یعنی اہل احزاب کی)
صیاصیھم وقذف فی قلوبھم	مدد کی تھی اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا۔
الرعب فریقا تقتلون وتاسرون	اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا پھر بعض
فریقا (الاحزاب ع ۳)	کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرنے۔

اور قدرتی نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بنی قریظہ کی نقدی اور جائداد سب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

واورثکم ارضھم ودیارھم	(اور اللہ نے) تمہیں بنا دیا وارث ان کی زمین کا اور
واموالھم وارضا لم تطؤھا وکان	ان کے گھروں اور ان کے مال کا اور اس زمین
اللہ علی کل شیئ قدیرا	کا بھی جس میں تم نے اب تک قدم نہیں رکھا ہے
(الاحزاب ع ۳)	اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ارضا لم تطؤھا۔ میں بڑی وسعت ہے۔ قیامت تک جتنے ملک بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گے سب اس کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں غرض یہ ہے کہ سزا ان بدعہدوں کو قرار واقعی ملی۔ اور یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ھ ہجری مطابق مئی ۶۲۷ء عیسوی کا ہے۔

غزوۂ احزاب

رسول اسلام علیہ السلام کو اپنی حربی زندگی میں جو محاربات عظیم ترین و شدید ترین پیش آئے۔ ان میں سے ایک کا نام تاریخ کی زبان میں غزوۂ خندق ہے اور قرآن مجید نے اسے الاحزاب سے موسوم کیا ہے۔ اس غزوۂ میں نہ صرف مشرکین قریش ہی اپنی پوری قوت و سامان کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔ بلکہ ان کی کمک پر عرب کے پر قوت قبیلے بنی غطفان، بنی سعد، بنی سُلیم وغیرہ شامل تھے اور یہود کا پر قوت قبیلہ بنی قریظہ بھی ان کا شریک ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت کل ۳ ہزار کی تھی اور حملہ آوروں کی ۱۰ ہزار کی۔ اسلام کے سپہدار اعظمؐ نے اس موقع پر ایک مخلص و جہاں دیدہ صحابی سلمانؓ فارسی کے مشورہ پر بجائے میدان میں نکل آنے کے مدینہ ہی کے گرد خندق کھود کر جنگ کی تیاری کی تھی قرآن مجید نے اس غزوہ کا ذکر اہتمام کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے نشیب و فراز پر پوری روشنی ڈالی ہے اور مسلمانوں پر اللہ کی شفقت و کرم خصوصی کا ذکر کیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحا و جنودا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرا	اے ایمان والو۔ اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب (کئی کئی) لشکر تمہارے اوپر چڑھ آئے۔ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیج دی نیز ایسے لشکر جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا تھا۔
(الاحزاب ع ۲)	

یہ ہوا اور بارش کا طوفان اس طرح آیا تھا کہ اس کی پوری زد دشمن ہی کے لشکر پر پڑی۔ روشنیاں بجھ گئیں خیمے اکھڑ گئے۔ برتن بھانڈے لڑھک گئے۔ غرض ہر طرح ابتری پھیل گئی تھی۔ اور غیر مرئی تائیدی لشکر سے مراد فرشتوں کا ہونا ظاہر ہی ہے۔

مخالف فوجیں آکر کچھ اطراف مدینہ کے نشیبی حصہ میں خیمہ زن ہوگئیں تھیں اور کچھ بالائی حصہ میں۔ مدینہ کی شرقی سمت اونچی ہے اور غربی سمت نیچی۔ قبیلۂ بنی اسد و بنی غطفان کے لشکر سمت مشرق سے آئے تھے اور قریش و بنی کنانہ کے سمت مغرب سے۔ اور یہ وقت لشکر اسلام کے لئے نازک ترین تھا۔ اتنے مضبوط جتھے سے مقابلہ کا اتفاق اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا ——— اس ساری صورت حال کا اور مسلمانوں کے دلوں میں شدت اضطرار و اضطراب سے جو طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ ان سب کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:-

اذ جاؤکم من فوقکم و من	اور جبکہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے تمہارے
اسفل منکم واذ زاغت الابصار	اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی،
وبلغت القلوب الحناجر و تظنون	اور جبکہ آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ
باللہ الظنونا (ایضاً)	کو آرہے تھے اور تم لوگ اللہ سے گمان طرح طرح کے کر رہے تھے۔

مسلمانوں کے لئے وہ دن واقعی سخت اور نازک تھا۔ گو مقصود اس سے محض امتحان ہی تھا۔ اس حقیقت کو موکد کرکے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ھنالک ابتلی المومنون و	اس موقع پر اہل ایمان کا پورا امتحان لیا گیا
زلزلوا زلزالاً شدیداً (ایضاً)	اور وہ سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔

اور منافقوں اور ہیچ دلوں کی بدگمانیوں کا تو اس دن کچھ پوچھنا ہی نہ تھا۔

واذ یقول المنافقون والذین	اور جب کہ منافقوں اور ان لوگوں نے جن کے
فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ و	دلوں میں مرض ہے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ اللہ

رسولہ الا غرورا (ایضاً) اور اس کے رسول نے تو ہم سے دھوکے ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اسی غزوہ میں یہ بھی ہوا کہ منافقوں نے عین وقت پر دغا دی۔ جنگ کے موقع چھوڑ دئے اور ان کی جماعت کئی سو کی تعداد میں واپس چلی گئی اور بعض کج دلوں نے آکر سپہ سالار اعظم کے پاس طرح طرح کے بہانے تراشنے شروع کر دیئے۔ تاکہ جہاد میں شرکت سے چھٹی مل جائے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کے چہرے سے یوں نقاب اٹھایا ہے:۔

واذ قالت طائفة منهم یا اهل یثرب لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منهم النبی یقولون ان بیوتنا عورة وما هی بعورة ان یریدون الا فرارا (ایضاً) اور یہ اس وقت ہوا جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب والو — تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں سو اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور ان میں سے بعض لوگ نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں۔ یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں

منافقین کی بزدلی اور پست ہمتی کا پردہ اس غزوہ کے موقع پر پوری طرح فاش ہو کر رہا۔ باہر کے آئے ہوئے اور جمع شدہ لشکر واپس چلے بھی گئے۔ اور یہ منافقین اب تک دبکے سہمے پڑے رہے۔ اتنا بھی تو نہ ہوا کہ ان جگر دوز معرکوں کے نظارہ کی بھی تاب لا سکیں، بے اختیار چاہتے تھے کہ کہیں دیہات میں جا کر پناہ لیں۔ اور وہیں سے بس خبریں ہی سن لیں۔ صحیفہ ربانی کا بیان ملاحظہ ہو:۔

یحسبون الاحزاب لم یذهبوا یہ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آوروں کے لشکر اب

وان یات الاحزاب یودوا لو انهم بادون فی الاعراب یسئلون عن انبائکم ولو کانوا فیکم ما قاتلوا الا قلیلا۔

(الاحزاب ع ۲)

تک بھی نہیں ہٹے اور اگر یہ لشکر آپڑیں تو یہ لوگ تو یہ چاہیں گے کہ کاش ہم باہر دیہاتوں میں جا رہتے کہ وہیں سے خبریں پوچھتے رہتے اور یہ لوگ اگر تمہیں میں رہیں جب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔

مومنین صادقین اس کے برخلاف ان شاندار حملہ آور لشکروں سے ذرا بھی بزدل وپست حوصلہ نہ ہوئے۔ ان کی ہمت وثبات کا نقشہ ان زوردار ومؤثر لفظوں میں ملاحظہ ہو:-

ولما راء المومنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم الا ایمانا وتسلیما۔ من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه فمنهم من قضی نحبه ومنهم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔

(الاحزاب ع ۳)

اور جب اہل ایمان نے (ان) لشکروں کو دیکھا تو بولے یہی وہ موقع ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کے ایمان واطاعت میں ترقی ہی ہوئی اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ ان میں سے راستہ دیکھ رہے ہیں اور انھوں نے اپنے میں ذرا فرق نہیں آنے دیا۔

دشمنوں کو باوجود کثرت تعداد، اور باوجود اپنی ساری خوش تدبیروں اور افراط ساز وسامان کے، جس طرح ناکام ونامراد واپس جانا پڑا۔ اس کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے:-

وردّ اللہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیرًا (ایضًا)
اور اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا بنا دیا کہ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا۔

یعنی معاندین اسلام آئے تو اس کروفر سے تھے لیکن کس حسرت کے ساتھ انہیں مدینہ کا محاصرہ اٹھا لینا اور تمام تر بے نیل مرام واپس جانا پڑا ـــــ مورخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ھ ہجری مطابق اپریل ۶۲۷ء کا ہے۔

غزوۂ حُدیبیہ یہ درحقیقت کوئی غزوہ نہیں۔ اس لئے کہ نہ یہاں کوئی جنگ پیش آئی اور نہ حضور صلعم کوئی ارادۂ جنگ لے کر اس میں روانہ ہوئے تھے لیکن اہل سیر و تاریخ نے اس کا ذکر غزوات ہی کے ذیل میں کیا ہے اس لئے یہ عنوان بڑھانا پڑا۔

ایک خواب کی بنا پر حضور ذی قعدہ ۶ھ ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے ۱۴۰۰ اصحاب ساتھ تھے، مکہ پر قبضہ ابھی تک مشرکوں کا تھا اس لئے آپؐ نے اپنے رفیقوں کو حکم دیا تھا کہ کوئی شخص بجز ایک تلوار کے (جو عرب میں لازمۂ سفر تھا) اور کوئی ہتھیار کوئی اپنے پاس نہ رکھے۔ اتنی احتیاطوں کے باوجود بھی اہل مکہ بدگمان ہی رہے۔ اور مقابلہ و مزاحمت کی تیاری اپنے ہاں شروع کر دی ابھی آپؐ مقام حدیبیہ میں تھے اور شہر مکہ سے ایک منزل اُدھر کہ یہ خبر آپ کو مل گئی۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کی سیادت میں ایک وفد سرداران قریش کے پاس بھیجا کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو واپسی میں دیر ہوئی اور خبر یہ اڑ گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ اس پر قدرۃً رسول اللہؐ کو غیرت آئی اور سخت ناگواری پیدا ہوئی اور اب آپؐ نے ایک درخت کے نیچے تشریف رکھ کر سب سے

بیعت لی، کہ خون عثمانؓ کا قصاص اپنی جانیں دے کر لیا جائے گا۔ پھر جب وہ خبر ہی بے بنیاد ثابت ہوئی تو نوبت کسی جدال وقتال کی نہ آئی اور ایک معاہدۂ صلح مرتب ہو گیا۔
قرآن مجید نے مسلمانوں کی ہمت وثبات کی اس مثال کو بہ طور یادگار محفوظ رکھا اور خوشنودی کا پروانہ عطا کر دیا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا (الفتح۔ ع ۲)

اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپؐ کے ہاتھ پہ بیعت کر رہے تھے۔ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا، اللہ کو اس کا علم ہو گیا سو اس نے ان پر تسلی اتاری اور انھیں قریب ہی زمانہ میں فتح عنایت کی۔

قرآن مجید نے مومنین کو یہ تسکین بھی دی کہ، وہ اس عارضی التواء سے بددل نہ ہوں، نبی کا خواب پوری طرح سچا ہو کر رہے گا۔ اور مسلمان سب طواف کر کے اور ارکان متعلقہ انجام دے کر رہیں گے ارشاد ہوا ہے۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شآء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون (الفتح۔ ع ۴)

بیشک اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دکھایا مطابق واقعہ کے تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے ان شاء اللہ امن کے ساتھ اپنے سر منڈاتے ہوئے اور بال کترتے ہوئے اور تمھیں کوئی خوف نہ ہو گا۔

اسی حدیبیہ کی منزل میں قبل اس کے کہ معاہدۂ صلح مکمل ہو۔ یہ واقعہ بھی پیش آ کر رہا کہ قریش نے اپنا ایک دستہ بھیج دیا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ لیکن یہ لوگ خود

گرفتار ہو گئے۔ مسلمان چاہتے تو ان قیدیوں کو قتل کر ڈالتے لیکن اس طرح جنگ و خونریزی کا سلسلہ فوراً شروع ہو جاتا اس لئے رحمت عالمؐ نے انھیں سرے سے معاف کر کے رہا کر دیا۔ قرآن مجید میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف بھی موجود ہے۔

وھو الذی کفّ ایدیھم عنکم	اور اللہ وہی تو ہے جس نے ان لوگوں کے ہاتھ
وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد	تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے بطن مکہ میں رک
ان اظفرکم علیھم (الفتح ع ۳)	لئے۔ بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا

اسی معاہدۂ حدیبیہ میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ جب صلح نامہ مرتب ہو رہا تھا تو قریش کے سفیر نے اعتراض کیا کہ ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کے روادار نہیں۔ عنوان پر قدیم فقرہ صرف باسمک اللھم رہے۔ اور دوسری بات یہ کہ بجائے محمد رسول اللہ کے معاہدہ پر صرف محمد بن عبداللہ تحریر ہو۔ مسلمانوں کو یہ جاہلی تعصب قدرۃً سخت ناگوار گزرا اور قریب تھا کہ صلح کی گفتگو ہی بات پر ٹوٹ جائے۔ رحمت عالمؐ نے اپنے جان نثاروں کے اس جوش کو خود ٹھنڈا کیا۔ قرآن مجید کے حقیقت افروز بیان سے یہ جزئیہ بھی نظرانداز نہیں ہونے پایا ہے۔

اذجعل الذین کفروا فی قلوبھم	اور جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب اور
الحمیۃ حمیۃ الجاھلیہ فانزل	تعصب جاہلی کو جگہ دی، تو اللہ نے اپنی طرف
اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین	سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا

(ایضاً)

اور جن مومنین نے درخت کے نیچے حضورؐ کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کی تھی، ان کی منزلت قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کی ہے :-

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (الفتح ع ۱)

بیشک جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے انہوں نے اللہ سے بیعت کی ہے اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

اور انہیں پروانہ خوشنودی جو عطا ہوا وہ ابھی چند منٹ قبل لقد رضی اللہ عن المومنین کے ذیل میں تو آپ سن ہی چکے ہیں۔ حدیبیہ کے اس واقعہ کا زمانہ ذی قعدہ ۶ھ ہجری ہے مطابق مارچ ۶۲۸ء۔

غزوۂ خیبر یہود کی ایک بستی مدینہ منورہ کے شمال میں شام کی جانب ۸ منزل یا بہ قول بعض سیاحوں کے ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر تھی۔ یہاں ان کے قلعے مستحکم اور کئی کئی موجود تھے ان کے مسلسل جرائم کے پاداش میں ان کی تادیب پر جو مہم روانہ ہوئی۔ اس کی قیادت خود آنحضرتؐ نے کی کچھ دن کے محاصرہ کے بعد سارے قلعے فتح ہوگئے اور مال غنیمت کثرت سے حاصل ہوا۔

قرآن مجید میں اس غزوہ کا ذکر تو ہے مگر مستقلاً اور بہ تصریح نام نہیں بلکہ اشارۃً اور دوسرے واقعات کے ضمن میں۔ صلح حدیبیہ کے سلسلہ بیان میں منافقین کی فطرت کے اظہار کے لئے بہ طور پیش خبری کے ہے۔

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم (الفتح ع ۲)

(یہ پیچھے رہ جانے والے) منافقین عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ ہولیں۔

یہ اشارہ خیبر کی غنیمتوں کی جانب ہے۔ جو عنقریب ہاتھ لگنے والی تھیں۔ پھر مومنین اہل مدینہ اہل حدیبیہ کی مدح کے سلسلہ میں ہے۔

فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریباً ومغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزاً حکیماً (الفتح ع ۳)

اللہ نے ان لوگوں میں اطمینان پیدا کر دیا، اور انہیں قریب ہی کی ایک فتح دیدی اور بہت سی غنیمتیں بھی جنھیں یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

فتح قریب اور غنیمت کثیر کی بشارتوں کا تعلق اسی مستقبل قریب کی فتح خیبر سے ہے اور معاً بعد ارشاد ہوتا ہے۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھٰذہٖ (ایضاً)

اللہ نے تم سے بہتیری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ تم انھیں لوگے۔ سو سر دست تمھیں یہ فتح دیدی ہے

اس غنیمت کثیر کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں درج ہے۔ اور سر ولیم میور نے "لائف آف محمد" میں لکھا ہے کہ اس مقدار کثیر میں مال غنیمت اس سے قبل مسلمانوں کو کبھی نہیں ملا تھا۔ واقعہ کا زمانہ محرم و صفر ۷ھ ہجری مطابق مئی و جون ۶۲۸ عیسوی ہے۔

غزوۂ الفتح غزوات نبوی کے سلسلہ میں فتح مکہ کا زمانہ (گو صحیح معنی میں غزوہ وہ بھی نہیں) کہنا چاہئیے کہ سب سے بڑا کارنامہ ہے اور لڑائیاں چھوٹی بڑی جتنی بھی ہوئیں سب کا مرکزی نقطہ یہی تھا۔

صلح حدیبیہ کا زمانہ فتح مکہ سے کوئی دو سال قبل کا ہے۔ قرآن مجید نے پیش خبری اسی وقت تیقن کے ساتھ کر دی تھی۔

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً (الفتح ع ۱)

ہم نے آپ کو (اے پیغمبر) ایک فتح دے دی کھلی ہوئی فتح۔

آیت میں گو اشارہ قریب صلح حدیبیہ کی جانب ہے۔ لیکن سب مانتے ہیں کہ اشارہ بعید فتح مکہ ہی کے جانب ہے۔

عرب اب جوق جوق ایمان لا رہے تھے اور قبیلے پر قبیلے اسلام میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ فتح مکہ چیز ہی ایسی تھی۔ قرآن مجید نے اس کی اپنی بلیغ زبان میں یوں نقشہ کشی کی ہے۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح	جب آ گئی اللہ کی مدد اور فتح اور آپ نے لوگوں
ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ	کو دیکھ لیا کہ فوج کے فوج اللہ کے دین میں
افواجًا (النصر)	داخل ہو رہے ہیں۔

اور خیر یہ صورت تو فتح مکہ کے بعد واقع ہوئی۔ خود فتح اس طرح حاصل ہوئی کہ گو رسول اللہؐ کے ہمراہ ۱۰ ہزار جاں نثار صحابیوں کا لشکر تھا۔ اور عرب کے بڑے بڑے پر قوت قبیلے اپنے الگ جیش بناتے ہوئے۔ اور اپنے اپنے پرچم اڑاتے ہوئے جلو میں تھے۔ لیکن خونریزی دشمن کے اس شہر بلکہ دار الحکومت میں برائے نام ہی ہونے پائی اور شہر پر قبضہ بغیر خون کی ندیاں بہے۔ گویا چپ چپاتے ہو گیا۔

ھو الذی کف ایدیھم عنکم	وہ اللہ ہی ہے جس نے روک دیئے ان کے
وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد	ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے شہر مکہ میں
ان اظفرکم علیھم (الفتح ع ۳)	بعد اس کے کہ تم کو اس نے ان پر فتحمند کر دیا تھا،

اس آیت میں اشارہ جہاں بہ قول بعض شارحین کے حدیبیہ کی طرف ہے۔ وہیں بہ قول بعض دوسرے شارحین کے غیر خونریز فتح مکہ کی جانب ہے۔

فتح مکہ کا یہ عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ کے لئے نادر اور یادگار واقعہ رمضان

شہ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ء عیسوی میں پیش آیا۔

غزوۂ حُنین

غزوۂ بدر کے علاوہ دوسرا غزوہ جس کا تذکرہ اشارۃً نہیں بلکہ نام کی صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وہ غزوۂ حُنین ہے حُنین ایک وادی کا نام ہے۔ جو شہر طائف سے ۳۰، ۴۰ میل شمال و مشرق میں جبل اوطاس میں واقع ہے۔ یہ عرب کے مشہور جنگجو و جنگباز قبیلہ بنو ہوازن کا مسکن تھا۔ اور اس قبیلہ کے ملکۂ تیر اندازی کی شہرت دور دور تھی۔ انھوں نے فتح مکہ کی خبر پا کر دل میں کہا کہ جب قریش مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے۔ تو اب ہماری بھی خیر نہیں۔ اور خود ہی جنگ و قتال کا سامان شروع کر دیا۔ اور چاہا کہ مسلمانوں پہ جو ابھی مکہ ہی میں یکجا تھے۔ یک بیک آ پڑیں اور اس منصوبہ میں ایک دوسرا پُر قوت و جنگجو قبیلہ بنی ثقیف بھی ان کا شریک ہو گیا اور ہوازن و ثقیف کے اتحاد نے دشمن کی جنگی قوت کو بہت ہی بڑھا دیا۔

حضورؐ کو جب اس کی معتبر خبر مل گئی۔ تو ایک اچھے جنرل کی طرح آپ خود ہی پیش قدمی کر کے باہر نکل آئے اور مقام حُنین پہ غنیم کے سامنے صف آرائی کر لی۔ آپ کے لشکر کی تعداد ۱۲ ہزار تھی ان میں ۱۰ ہزار تو وہی فدائی تھے جو مدینہ سے ہم رکاب آئے تھے۔ دو ہزار آدمی مکہ کے بھی شامل ہو گئے مگر ان میں سب مسلمان نہ تھے۔ کچھ تو ابھی بدستور مشرک ہی تھے، اور کچھ نومسلم کے بجائے صرف نیم مسلم تھے۔ بہر حال بارہ ہزار کی اس جمعیت کثیر پر مسلمانوں کو ناز ہو چلا۔ کہ جب ہم تعداد قلیل میں رہ کر برابر فتح پاتے رہے۔ تو ابکی تو تعداد اتنی بڑی ہے۔ اب فتح میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ لیکن جب جنگ شروع ہوئی۔ تو اس کے بعد کے دو اسلامی لشکر

پڑ بہت ہی سخت گزرے۔ اور مسلمانوں کا اپنی کثرت تعداد پر فخر کرنا ذرا بھی ان کے کام نہ آیا۔ ایک موقع ایسا بھی پیش آیا کہ اسلامی فوج کو ایک تنگ نشیبی وادی میں اترنا پڑا اور دشمن نے کمین گاہ سے یک بیک ان پر تیروں کی بارش شروع کردی۔ خیر۔ پھر غیبی امداد کا نزول ہوا۔ اور آخری فتح مسلمانوں ہی کے حصہ میں رہی۔

قرآن مجید نے اس سارے اتار چڑھاؤ کی نقشہ کشی اپنے الفاظ میں کردی ہے

ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروھا وعذاب الذین کفروا وذالک جزاء الکافرین۔ (التوبہ ع ۴)	اور اللہ نے یقیناً بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی ہے۔ اور حنین کے دن بھی، جبکہ تم کو اپنی کثرت تعداد پر غرہ ہوگیا تھا۔ تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور مومنین پر تسلی نازل فرمائی۔ اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں تم نہ دیکھ سکے۔ اللہ نے کافروں کو عذاب میں پکڑا اور یہی بدلہ ہے کافروں کے لئے

غزوۂ حنین کا زمانہ شوال ۸ھ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ء کا ہے۔

غزوۂ تبوک آپ نے اب تک جتنے محاربات کا ذکر سنا، یہ سب قبائل عرب ویہود کے مقابلہ میں تھے۔ مگر اب سامنا ایسے لشکر کا ہونے

والا تھا۔ جو وقت کے معیار کے مطابق ہر طرح کے جدید و متمدن سازوسامان سے آراستہ تھا۔ عرب کے شمال میں حکومت آل غسان کی تھی۔ اور یہ ایک باج گزار عیسائی ریاست روم کی عظیم تہنشاہی کی تھی۔ اور روم و ایران یہی دو اس وقت کی تہذیب و تمدن کی ترقیوں کے نمائندے تھے۔ مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ رومی شہنشاہ کے حکم سے ۴۰ ہزار فوج کا اجتماع سرحد پر ہو رہا ہے۔ آنحضرت صلعم یہ اطلاع پاکر حسب معمول پیش قدمی کر کے روانہ ہو گئے۔

لشکر اسلام بھی اب تعداد میں ۳۰ ہزار تھا۔ اور تبوک پر اس نے کیمپ قائم کر دیا۔ تبوک مدینہ سے ۱۴ منزل کے فاصلہ پر شام کی راہ پر تھا۔ اتنی دور دراز مسافت یوں ہی لوگوں کو کھل رہی تھی۔ پھر گرمیوں کا موسم اور اتفاق سے اس سال گرمی اس زمانہ میں بہت سخت تھی۔ اور باغات مدینہ کی فصل کا زمانہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقابلہ ایک متمدن و قواعد دان فوج سے اور اپنی طرف بے سروسامانی کا یہ عالم کہ ایک اونٹ میں کئی کئی سوار شریک اور رسد کی اس درجہ قلت کہ سالم ایک ایک خرما بھی ہر سپاہی کو نصیب نہیں، ان حالات نے مل ملا کر قدرۃً اچھے اچھوں کی ہمت پست کر دی اور تبوک جانے سے جی چرانے لگے۔

اور منافقوں کی تو بن آئی تھی۔ انھوں نے صاف صاف کہنا اور دوسروں کو ورغلانا شروع کر دیا تھا کہ ایسی گرمی میں بھلا کوئی سفر کیسے اختیار کر سکتا ہے؟

قرآن مجید نے ان کا قول مع اس کے رد کے نقل کیا ہے۔

وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جہنم اشد حرا لو کانوا یفقہون۔ (التوبہ ع ۱۱)

یہ بولے کہ گرمی کے موسم میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ اس سے (کہیں) زیادہ گرم ہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ لوگ سمجھ سے کام لیتے۔

اور بعض نے تو یہ لے یہاں تک اونچی کر دی تھی کہ فرمانے لگے۔ کہ رومیوں کی سرزمین پر قدم رکھ کر ہم تو وہیں کے فتنوں کے شکار ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمارا نہ جانا ہی بھلا۔ قرآن مجید نے اس عذر کو بھی نقل کر کے اس پر شدید نکیر کی ہے:۔

ومنھم من یقول اذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنۃ سقطوا وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین (التوبہ ع ۷)

اور ان میں بعضا شخص وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (رہ جانے کی) اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے سارے فتنہ میں تو یہ خود ہی پڑ چکے ہیں۔ اور یقیناً دوزخ ان کافروں کو گھیرے گی۔

اس سب کے باوجود جب آپؐ روانہ ہوگئے ہیں۔ تو ۳۰ ہزار کا لشکر ہمراہ تھا۔ تبوک میں قیام دو مہینہ رہا۔ لیکن غنیم سامنے نہ آیا۔ اور اسلامی لشکر مع الخیر واپس آگیا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے۔ مگر ضمناً۔ امیر لشکر اور جانباز رفیقوں کی مدح [illegible] وقت و موسم کی سختی کا پورا لحاظ رکھا ہے (چنانچہ اس غزوہ کا نام ہی جیش العسرۃ پڑ گیا) اور کمزور ارادہ والوں کو معافی کا پروانہ عنایت کیا ہے۔

لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم انہ بھم رءوف رحیم (التوبہ ع ۱۴)

اللہ نے حضرت پیمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیمبر کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی۔ بلاشبہ وہ (ان سب پر) بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے۔

اس غزوہ کا زمانہ رجب تا رمضان ۹ ہجری مطابق اکتوبر تا دسمبر سنہ ۶۳۰ عیسوی تھا۔

خطبہ (۷)

معاصرین

رسول اللہ کے سیرۃ نگار کے لئے بعض اہم سوالات یہ ہیں کہ آپ کو پیام کیا ملا تھا اور آپ پیامبر بنا کر کس کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اور وہ پیام ان لوگوں نے کس رنگ میں سُنا؟

تبلیغ کا حکم اجمالی طور پر تو ایک معنی میں آپ کو بعثت و نبوت کے ساتھ ہی مل گیا تھا۔ چنانچہ ایک ابتدائی سورۃ میں ہے:۔

قم فانذر (المدثر ع ۱) آپ کھڑے ہو جیے اور ڈرائیے۔

لیکن یہاں یہ کچھ تصریح نہیں کہ کس کو ڈرائیے انذار کا عمل کس پر کیجئے اسی طرح یہ آیت بھی رقبۂ تبلیغ کے باب میں مجمل ہی ہے۔

وقل انی انا النذیر المبین آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایک کھلم ڈرانے والا (الحجر ع ۶) ہوں۔

اور کچھ ایسا ہی حال اس آیت کا بھی ہے:۔

ان انا الا نذیر و بشیر میں اور کچھ نہیں بجز اس کے کہ نذیر و بشیر

(الاعراف ع ۲۳) ہوں۔

پھر یہ آیت بھی اسی طرح مطلق ہے اور تصریح سے خاموش

فاصدع بما تومر و اعرض عن المشرکین — غرض آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجئے اور مشرکوں کی پروا نہ کیجئے۔ (ایضاً)

اور پھر اسی قسم کا حکم گو اور زیادہ موکد اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (المائدہ ع ۱۰) — اے پیغمبر آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے۔ آپ سب پہنچا دیجئے، اور اگر آپنے یہ نہ کیا۔ تو آپ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہ پہنچایا۔

اور اسی قبیل کی یہ آیت بھی ہے۔

انا ارسلناك بالحق بشیرًا و نذیرًا (البقرع ۱۴) — بیشک ہم نے بھیجا ہو آپ کو دین حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر۔

اور یہی آیت سورۃ الفاطر رکوع ۳ میں آئی ہے۔

اور وہیں یہ آیت بھی آئی ہے۔

ان انت الا نذیر (الفاطر ع ۳) — آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہی ہیں۔

اور اسی مضمون کی اور لفظاً بھی اسی سے ملتی جلتی آیتیں اور بھی ہیں۔

مثلاً

انا ارسلناك بالحق بشیرًا — بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو دین حق کے ساتھ

وّ نذیرا (الفاطر ع ۳) بشیر و نذیر بنا کر۔

اور

وما ارسلناک الا مبشراً وّ نذیراً (بنی اسرائیل ع ۱۲) اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر بشیر و نذیر بنا کر۔

اور ایسی ہی آیتیں سورہ الفتح و سورہ الاحزاب و سورۃ الفرقان میں بھی ملتی ہیں ان ساری آیتوں سے اتنا تو واضح بلکہ موکد طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ کے ذمہ فریضۂ تبلیغ و دعوت تھا۔ اور آپ شروع ہی سے "بشیر" "نذیر" "مبشر" اور "شاہد" تھے اور یہ سب تصریحات اگر نہ ہوتیں۔ جب بھی خود لفظ رسول کے اندر اجمالاً یہ فرائض آ گئے تھے۔ رسالت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی کا پیام کسی کو پہنچانا۔ تو آپ کی پیامبری اور پیام رسانی میں تو کوئی اشتباہ اول روز ہی سے نہ تھا۔ گفتگو صرف اس میں ہے کہ آپ کا مخاطب کون سا گروہ کون سا طبقہ، کون سی انسانی آبادی تھی؟

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپؐ کے سپرد تبلیغ و ہدایت سب سے پہلے آپ کے کنبہ اور برادری والوں کی ہوئی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وانذر عشیرتک الاقربین اور اپنے قریب کے خاندان والوں کو ڈرائیے۔

(الشعراء ع ۱۱)

اور قدرۃً آغاز یہیں سے ہونا بھی تھا۔ اس کے بعد پھر اس قدرتی ترتیب سے دائرہ دعوت وسیع ہو کر قوم عرب یعنی نسل اسمٰعیل تک پہنچا۔ اس کی جانب رہنمائی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔

مثلاً

لتنذر قوماً ما انذر آباءهم فهم غافلون (یٰسین ع ۱) — تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جس کے آباؤ اجداد ڈرائے نہیں گئے ہیں وہ اس سے بے خبری میں ہیں۔

اس "قوم" سے کھلی ہوئی مراد قوم عرب یا بنی اسمٰعیل سے ہے۔

دوسری آیت اسی تائیدی معنی میں ہے۔

لتنذر قوماً ما اتاهم من نذیر من قبلک (السجدہ ع ۱) — تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے

اور یہی مفاد اس قسم کی آیتوں کا بھی ہے جن میں یہ آیا ہے کہ آپ اُمیوں کے درمیان مبعوث کئے گئے ہیں۔ ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے۔ مثلاً

ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (الجمعہ ع ۱) — اور اللہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان ایک انہیں میں سے رسول مبعوث کیا۔ جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں پاک صاف بناتے ہیں اور انہیں کتاب و دانائی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ قبل اس کے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اُمیوں سے کھلی ہوئی مراد ام القریٰ یعنی مکہ معظمہ کے باشندے ہیں اور جب اس کے ساتھ وہ آیت ملائی جائے۔ جس میں تقریباً یہی دعا حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی ذریت کے حق میں کی ہے، یعنی :-

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم — اے ہمارے رب ہماری ذریت کے درمیان ایک

یتلوا علیھم آیاتك ویعلمھم	رسول انھیں میں سے اٹھا۔ جو انھیں تیری
الکتاب والحکمۃ ویزکیھم	آیتیں پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب و
انك انت العزیز الحکیم	حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک صاف بنائے
(البقرہ ع ۱۵)	بیشک تو ہی زبردست بھی ہو اور حکمت والا بھی

تو یہ بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے کہ امت دعوت ساری نسل اسمٰعیل ہے اب اس کے بعد دائرہ دعوت میں اور وسعت ہوتی ہے اور خود رسولؐ پاک کی زبان سے یہ کہلایا جاتا ہے۔

واُوحی الیّ ھٰذا القرآن	اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہو تاکہ اس
لانذرکم بہ ومن بلغ	کے ذریعہ سے میں تمھیں بھی خبردار کروں اور
(الانعام ع ۲)	جس کسی کو یہ پہنچے اس کو بھی۔

اس ایک ومن بلغ کے اضافہ نے یہ صاف کر دیا کہ دعوت محمدی اب انھیں کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں جو آپؐ کے مخاطبین اول تھے۔ بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہو کر اس ساری آبادی کو بھی محیط ہو گیا ہے۔ جہاں تک قرآن پہنچ جائے۔ اور چونکہ قرآن کے پہنچ جانے کا امکان روئے زمین کے ہر گوشہ تک ہے اس واسطے دائرہ دعوت بھی گویا اب سارے عالم تک وسیع ہو رہا ہے۔

یہ استنباط پھر بھی بالواسطہ تھا۔ اور کچھ اس قسم کا نتیجہ تکمیل دین والی آیت سے بھی نکالا جا سکتا تھا۔ یعنی

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت	آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین کامل کر دیا
علیکم نعمتی۔ (المائدہ ع ۱)	اور تم پر پوری کر دی اپنی نعمت۔

اور کہا جا سکتا تھا کہ جب دین کی تکمیل ہر پہلو سے ہوگئی اور اللہ کا انعام ہر طرح پورا ہوگیا، تو اب اولاد آدم کا کوئی طبقہ اس کے فیض سے باہر کیوں رہے۔ لیکن اب اس بالواسطہ استدلال اور استنباط کی بھی ضرورت نہ رہی بلکہ صاف اور کھلے لفظوں میں ارشاد ہونے لگا کہ پیغام محمدی ملک گیر نہیں بلکہ عالم گیر ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا (الفرقان ع ۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے فیصلہ والی کتاب اپنے بندہ (خاص) پر اتاری تاکہ وہ سارے عالم کو خبردار کرنے والا ہو۔

اور دوسری جگہ ہے۔

ان ھو الا ذکریٰ للعالمین (الانعام ع ۱۰)

یہ (قرآن) نہیں ہے مگر نصیحت سارے عالم کے لئے۔

اور تیسری جگہ براہ راست رسول اللہ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا الذی لہ ملک السماوات والارض۔ (الاعراف ع ۲۰)

آپ کہہ دیجئے کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف رسول ہوں اللہ کا جس کی سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے۔

چوتھی آیت بھی ایسی ہی واضح و صریح ہے۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا (السباء ع ۳)

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے پیمبر) مگر سارے ہی انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔

غرض یہ کہ آپ کی بعثت و دعوت کا ساری نسل آدم کی طرف ہونا تو ہر طرح ثابت اور یقینی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کا سابقہ بہ یک وقت ساری دنیا سے اور دور دراز بسنے والی قوموں سے کیونکر پڑ سکتا تھا۔ قدرۃً براہ راست سابقہ آپ کو انھیں لوگوں سے پیش آیا۔ جو جغرافی اعتبار سے آپ سے متصل تھے۔ یعنی عرب اور خصوصاً اس کے شہروں مکہ و مدینہ یا ان کے حوالی میں آباد تھے۔ تو اب تاریخی سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ان اہل ملک نے حضورؐ کے پیام کی پذیرائی کس حد تک اور کیونکر کی؟ —— اور یہیں سے ایک بڑا طویل باب آپ کے معاصرین سے متعلق شروع ہوتا ہے۔

(الف)

مشرکین

ان میں سب سے پہلے نمبر مشرکین کا آتا ہے۔ ان کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ مشرکین اور الذین اشرکوا کا ذکر اور شرک کے بابت احکام قرآن مجید میں صدہا آیتوں میں وارد ہوئے ہیں۔ اور ان صریح الفاظ کے علاوہ بالواسطہ بھی جو آیات عبادت غیر اللہ کی ممانعت اور اس پر زجر و ملامت میں وارد ہوئی ہیں ان کی تعداد تو اور بھی زائد ہے۔

محمد صلعم جو پیام لے کر آئے تھے۔ اس کا اہم ترین اور مقدم ترین جزو توحید ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اثبات، ذات، صفات، افعال ہر پہلو اور ہر اعتبار سے۔ قرآن نے اسی پیام کو صدہا بار دہرایا ہے۔ مختلف پیرایوں میں۔ اور تاکید سب سے زیادہ اسی کی رکھی ہے۔ کہیں یوں۔

وقال اللہ لا تتخذوا الھین اثنین انما ھو الہ واحد (النحل ع ۷)	اور اللہ نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ وہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔

اور کہیں یوں۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الھکم الہ واحد (الکھف ع ۱۲)	آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس بشر ہی ہوں تمہیں جیسا۔ اور مجھ پر وحی یہ آئی ہو کہ تمہارا ایک ہی خدا ہے۔

(وحم السجدہ ع ۱)

کہیں مطلق صورت میں ارشاد ہوا ہے کہ

والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو (البقرہ ع ۱۹)	اور تمہارا خدا بس اکیلا ہی خدا ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

یا یوں

ھو اللہ الواحد القھار (زمر ع ۱)	وہی اللہ ایک اور زبردست ہے۔

اور کہیں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ جیسے یہی معیار اسلام یا انقیاد کا ہے۔

قل انما یوحیٰ الی انما الھکم اللہ واحد فھل انتم مسلمون (الانبیاء ع ۷)	آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر وحی یہ آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدائے واحد ہے۔ تو اب تم اسلام لاتے ہو؟

اور اس مضمون کی آیتیں ایک دو نہیں، بیسیوں ہیں —— ایک جگہ ایک مختصر جامع سورۃ میں ہر قسم کی توحید کا اثبات اور ہر قسم کے شرک کی نفی کر کے لفظ بھی بجائے "واحد"

کے "احد" لایا گیا ہے۔

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد (الاخلاص)

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے اور (سب سے) بے نیاز ہے۔ نہ اس کے کوئی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے۔

اہل لغت اور علما، ادبا نے لکھا ہے کہ احد، واحد کی ترقی یافتہ شکل ہو واحد جمع و تعدد کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن 'احد' تعزید میں کامل اور تجرید میں یکتا ہے۔ اور اگر یہ ال کے اضافہ کے ساتھ الاحد کر کے لایا جائے۔ تو یہ اسم ذات کی طرح مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اور ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ اور اللہ لا الہ الا ھو، کی قسم کی تو بہ کثرت آیتیں قرآن میں ہیں۔ جن سے خداؤں کے تعدد یا غیر اللہ معبود کے وجود ہی کی سرے سے نفی کی گئی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں اس قسم کے شرک جلی کی بڑی گرم بازاری تھی۔ اور سب سے زیادہ یہی لوگ آپ کا پیام سن کر سنی ان سنی کرتے تھے۔ اور چونکہ آپؐ مامور تھے تبلیغ پر جیسا کہ آیات کریمہ

قم فانذر (المدثر ع ۱)

آپ کھڑے ہو جئے اور خبردار کیجئے۔

اور

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک۔ (المائدہ ع ۱۰)

اے رسول آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے۔

اور

فانما علیک البلاغ (آل عمران ع ۲)

آپ کے ذمہ تو بس پہنچا دینا ہے۔

اور

فانما علیك البلاغ المبین — آپ کے ذمہ تو بس کھلم کھلا تبلیغ ہی ہے۔ (النحل ع ۱)

اور بہت سی دوسری آیتوں سے ظاہر و ثابت ہے۔ اس لئے یہ بات ایک حد تک بالکل قدرتی تھی کہ جو لوگ اپنی وہم پرستیوں میں زیادہ راسخ اور جامد تھے انھوں نے نئی دعوت کو سن کر اس کی مخالفت بھی شدت سے کی۔ اور دعوت و داعی دونوں کے دشمن ہو گئے۔ انھیں حیرت تھی کہ یہ نیا داعی سارے خداؤں کو چھوڑ کر خدائے واحد و یکتا کی طرف کیسے بلا رہا ہے۔ کبھی حیرت اور غصہ کے ساتھ کہتے کہ

ھذا ساحر کذاب اجعل الآلھة الھا واحدا ان ھذا لشئی عجاب (ص۔ ع ۱) — یہ شخص ساحر ہے۔ کذاب ہے۔ کیا اس نے تمام خداؤں کو بس ایک خدا بنا دیا ہے، یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے۔

اور کبھی یہ کہتے کہ۔

ماسمعنا بھذا فی الملة الآخرة ان ھذا الا اختلاق (ص ع ۱) — ہم نے تو یہ (کبھی اپنے) پچھلے مذہب میں سنا نہیں ہو نہ ہو یہ گڑھی ہوئی چیز ہے۔

اور اسی طرح قوم نوح نے بھی اپنے نبی کی دعوت توحید پر کہا تھا، کہ

ماسمعنا بھذا فی آبائنا الاولین۔ (المومنون ع ۲) — ہم نے اپنے باپ دادوں سے کبھی تو یہ سنا نہیں۔

قدرۃً رسول اسلام کا یہ مطالبہ مخاطبین کو بہت عجیب معلوم ہوتا اور ناگوار بھی گزرتا۔ اور ان کی طرف سے فرمایش طرح طرح معجزات کی ہوتی اور بار بار ہوتی۔

کبھی کہتے ۔

لولا یکلمنا اللہ او تاتینا آیۃ (البقرۃ ع ۱۴)
اللہ ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں آتا۔

اور کبھی پیمبر کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ

لولا نزل علیہ آیۃ من ربہ (الانعام ع ۱)
ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں آتا۔

یہ مضمون بیسیوں آیتوں میں دہرایا گیا ہے۔ اور کبھی یہ لوگ معجزات کا نام بھی متعین طور پر لے دیتے۔ کہ اگر اپنے دعوئی رسالت اور تعلق باللہ میں سچے ہو تو فلاں فلاں خارق عادت واقعات کرکے ہمیں دکھا دو۔ چنانچہ کہتے۔

لولا انزل علیہ کنز او جاء معہ ملک (ہود ع ۲)
ان پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتار دیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔

اور کبھی یہ کہتے ۔

او یلقی الیہ کنز او تکون لہ جنۃ یاکل منھا (الفرقان ع ۱)
ان کی طرف آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جائے یا ان کے لئے کوئی باغ ہو جس میں سے یہ کھاتے (رہیں)۔

اور کبھی ان فرمایشی خوارق و معجزات کی فہرست خاصی طول طویل ہو جاتی مثلاً یہ کہنے کہ:۔

لن نومن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لک
ہم تجھ پر ایمان ہرگز نہ لائیں گے جب تک آ ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ جاری کردو۔

جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتی بالله والملائكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى فی السماء (بنی اسرائیل ع ۱۰)

یا پھر تیرے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو۔ اور تو اس کے درمیان نہریں جاری کر دے یا آسمان کا کوئی ٹکڑا توڑ کر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا اللہ اور فرشتوں کو تو ہمارے سامنے لے آئے یا تیرے لئے گھر سونے کا ہو جائے یا تو آسمان پر (ہماری آنکھوں کے سامنے) چڑھ جائے

یہ ساری آیتیں مکی ہیں۔ اور ایسے فرمائشی معجزات کے مطالبے اہل مکہ خصوصاً قریش ہی کی جانب سے زیادہ پیش ہوتے رہتے تھے ـــ اور ان کے شرک کے یہ معنی نہ تھے کہ یہ لوگ اللہ کے وجود کے منکر ہوں۔ اور اس کے بجائے اور اور خدا تسلیم کر رہے ہوں۔ نہیں یہ لوگ اللہ کے وجود کے پوری طرح قائل تھے۔ لیکن اسے خدائے واحد یکتا نہیں۔ بلکہ صرف خدائے اعظم تسلیم کرتے تھے۔ یعنی گو سب سے بڑا خدا اللہ ہے۔ تاہم اس کے ساتھ یا شاید اس کے ماتحت اور بھی بہت سے خدا ہیں۔ اور معبودیت و حاجت روائی میں اسی کی طرح ہیں، بلکہ شاید اس سے بھی بڑھ کر۔ اور اس لئے اس مشرکانہ منطق میں تعلق انہیں سے زیادہ رکھنا چاہیئے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ پر سخت جرح کی۔ اور بار بار سوالات کر کے: اہل جاہلیت کو ان کی جہالت پر متنبہ و آگاہ کیا چنانچہ ایک جگہ یہ جرحی سوالات بہت دور تک چلے گئے ہیں،

ءآللہ خیر اما یشرکون امن خلق السماوات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا به

(بھلا بتاؤ تو کہ) اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں؟ آیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے

حدائق ذات بهجة ما كان لكم
ان تنبتوا شجرها ءاله مع الله
بل هم قوم يعدلون امن جعل
الارض قرارا وجعل خلالها
انهارا وجعل لها رواسى
وجعل بين البحرين حاجزا ء
اله مع الله بل اكثرهم لا يعلمون
امن يجيب المضطر اذا دعاه و
يكشف السوء ويجعلكم خلفاء الارض
ءاله مع الله قليلا ما تذكرون امن
يهديكم فى ظلمات البر والبحر
ومن يرسل الرياح بشرا بين
يدى رحمته ءاله مع الله تعالى
الله عما يشركون - امن يبدؤا
الخلق ثم يعيده ومن يرزقكم
من السماء والارض ءاله مع الله
قل هاتوا برهانكم ان كنتم
صادقين -

(النمل ع ۵)

اس نے تمہارے لئے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے
ہم نے رونق دار باغ اگائے ۔ اور تم سے تو ممکن نہ تھا کہ
تم اُن کے درختوں کو اگا سکو۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی
اور خدا بھی ہے؟ یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ
بنایا اور اس کے درمیان درمیان ندیاں بنائیں
اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے
درمیان حد فاصل بنائی۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی
اور خدا بھی ہے؟ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر تو سمجھتے
ہی نہیں۔ آیا وہ جو بیقرار کی (فریاد) سنتا ہے جب
وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے
اور تم کو زمین پر صاحب تصرف بناتا ہے۔ تو کیا اللہ
کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ بہت ہی کم تم لوگ
یاد رکھتے ہو۔ آیا وہ جو تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں
میں راستہ سجھاتا ہے۔ اور جو ہواؤں کو بارش سے
پہلے بھیجتا ہے۔ جو خوشخبری دیتی ہیں۔ تو کیا اللہ کے
ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ اللہ برتر ہے ان لوگوں کے
شرک سے۔ آیا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے
اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو تمہیں رزق
دیتا ہے آسمان و زمین سے تو کیا اللہ کے ساتھ کو

اور خدا بھی ہو؟ آپ کہئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ

اگر تم (دعوائے شرک میں) سچے ہو۔

ان آیتوں میں مشرکین پر حجت قائم کی ہے، کہ جب اللہ ہی خالق و فاطر، رازق و نافع اور ناظم امور سب ہے۔ اور تم اسے تمامتر تسلیم بھی کرتے ہو تو آخر یہ تمھیں کیا سودا ہے کہ تم اس کے ہوتے ہوئے دوسرے دوسرے خداؤں کی طرف جھکتے ہو۔ اُن سے اپنی حاجتیں عرض کرتے ہو اور انھیں بھی درجہ معبودیت میں رکھتے ہو!

اور اسی طرح کی آیتیں بلکہ ان سے بھی زیادہ واضح ایک دوسری جگہ بھی وارد ہوئی ہیں۔ رسول کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون۔ سیقولون للہ قل افلا تذکرون قل من رب السماوات السبع ورب العرش العظیم۔ سیقولون للہ قل افلا تتقون قل من بیدہٖ ملکوت کل شیئ وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون سیقولون للہ قل فانی تسحرون

(المومنون ع ۵)

آپ کہئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ سب کس کے ہیں۔ اگر تم کچھ خبر رکھتے ہو؟ (اس پر) وہ ضرور یہ کہیں گے کہ یہ اللہ کے ہیں۔ ان سے کہئے کہ پھر تم کیوں غور نہیں کرتے۔ آپ یہ بھی کہئے کہ (ان سات) آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔ آپ کہئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تمہیں کچھ بھی خبر ہے؟ اب بھی

وہ ضرور ہی یہ کہیں گے کہ یہ سب اوصاف اللہ
کے ہیں۔ آپ کہئیے کہ پھر تمھیں کیا خبط ہو رہا ہے؟
اور اسی طرح ایک جگہ اور انھیں مشرکوں کی زبان سے اقرار کرایا ہے کہ خالق
آسمان و زمین اللہ ہی ہے۔

ولئن سالتھم من خلق السماوات والارض لیقولن اللہ (لقمان ع ۳)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ بول اٹھیں گے کہ اللہ نے۔

چنانچہ جن آیتوں میں اثبات توحید اور ممانعت شرک پر زور دیا ہے وہاں
اکثر یہ بھی بڑھا دیا ہے کہ عبادت کا حقدار بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا۔ (النساء ع ۶)

عبادت اللہ کی کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔

یا

ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (الکہف ع ۱۲)

(انسان کو چاہئیے کہ) اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

جن کی عبادتوں میں یہ مشرکین عرب لگے رہتے تھے۔ ان کا وجود خارج میں
سرے سے تھا ہی کہاں؟ ان لوگوں نے محض ایک خیالی اور ذہنی وجود عطا
کر رکھا تھا۔

ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم واباءکم

اور تم اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ تو بس نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمھارے باپ

مانزل اللہ بہا من سلطان — دادوں نے دے رکھے ہیں۔

(یوسف ع ۵)

اس شرک کا ایک خاص مظہر بت پرستی تھی۔ نام لے کر اس کی ممانعت وارد ہوئی

فاجتنبوا الرجس من — بتوں کی پلیدی سے بچو۔

الاوثان۔ (الحج ع ۴)

اور یہ اوثان ہی کا لفظ پرانی مشرک قوموں یعنی قوم نوح (عنکبوت ع ۲) اور قوم ابراہیم (عنکبوت ع ۳) کے حق میں بھی وارد ہو چکا ہے۔ یہ مورتیاں عموماً پتھر کی بنی ہوئی ہوتی تھیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو جگہ جو ذکر آتش دوزخ کے سلسلہ میں انسانوں کے ساتھ پتھروں کا آیا ہے۔ ایک جگہ سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳ میں وقودھا الناس والحجارۃ۔ اور دوسری جگہ انہیں الفاظ کے ساتھ سورۃ التحریم کے رکوع اول میں تو دونوں جگہ پتھر سے مراد پتھر کی تراشی ہوئی مورتیاں ہی ہیں۔ اور ان بڑی مورتیوں میں سے تین کا ذکر نام کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے ایک لات دوسرے عزیٰ اور تیسرے منات۔

افرایتم اللات والعزیٰ — بھلا تم نے نظر نہیں کی ہے لات پر اور عزیٰ

ومناۃ الثالثۃ الاخری۔ — پر اور تیسرے اور منات پر۔

(النجم ع ۱)

تاریخ و سیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ یہ تینوں بت عرب کے مشہور و پر قوت قبیلوں کے تھے۔ اور قرآن مجید نے قوم نوح کے جن دیوتاؤں کے نام سورہ نوح ع ۲ میں گنائے ہیں۔ ود۔ سواع۔ یعوق۔ یغوث۔ نسر۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ

یہ بت جاہلی عربوں کے بھی تھے اور عراق سے آکر عرب میں بھی پجنے لگے تھے۔

اہل جاہلیت کا اپنی صفائی میں کہنا یہ تھا کہ ہم ان بتوں کو کہیں خدا تھوڑے ہی سمجھ رہے ہیں۔ ہم تو انہیں بارگاہ خداوندی کے لئے محض ایک وسیلہ گردانتے اور انہیں محض شافع یا سفارش کرنے والے مانتے ہیں۔

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (الزمر ع ۱)	ہم تو انہیں محض اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ اللہ سے ہمیں قریب کر دیں۔

اللہ یا خدائے اعظم کے لفظی اعتراف و اعتقاد کے ساتھ عمل میں ان مشرکین عرب کا یہ حال تھا کہ اپنے پیداوار اور اپنے جانوروں میں جو حصے لگاتے، ان میں اللہ کے نام والے حصے تو بتوں کی طرف بے تکلف منتقل کر دیتے لیکن یہ نہ کرتے کہ بتوں والے حصے اللہ کی طرف منتقل کر دیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وجعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبًا فقالوا ھذا للہ بزعمھم وھذا لشرکائنا فما کان لشرکائھم فلا یصل الی اللہ وما کان للہ فھو یصل الی شرکائھم ساء ما یحکمون (الانعام ع ۱۶)	اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے اس میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا ہے اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ پھر [illegible] ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی ہے اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی کیا بری تجویز ان لوگوں نے نکال رکھی ہے۔

ان مشرکانہ عقائد کا اثر ان مشرکوں کے اعمال اور ساری زندگی پر بھی پڑا تھا اور یہ لوگ طرح طرح کے خرافات و اوہام میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک بڑی چیز

ان کی عادت اولاد کشی تھی اور کھانے پینے کی چیزوں میں سے فلاں فلاں کا فلاں فلاں طبقہ کے لئے حرام کر لینا تھا۔ قرآن مجید نے اسی سورۂ انعام کی اسی آیت کے متصل ان چیزوں کو بھی ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ شروع کی آیت ہے۔

وکذالک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم۔ (الانعام ع ۱۶)

اور اسی طرح کثرت سے مشرکین کے خیال میں اپنی اولاد کے ہلاک کر ڈالنے کو ان کے معبودوں نے اچھا بنا رکھا ہے۔ تاکہ ان کو برباد کر دیں اور ان کے دین کو ان کی نظر میں مخبوط کر دیں۔

اور آخری آیت ہے۔

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم وحرموا مما رزقھم اللہ افتراءً علی اللہ قد ضلوا وما کانوا مھتدین (الانعام ع ۱۶)

یقیناً گھاٹے میں آ گئے جنھوں نے ہلاک کر ڈالا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر کسی سند کے اور اللہ نے جو کچھ کھانے پینے کو دیا تھا اسے حرام کر لیا۔ اللہ پر جھوٹ باندھ کر بیشک یہ لوگ گمراہ ہو گئے اور راہ یاب نہ ہوئے۔

بت پرستی کے علاوہ یہ مشرکین ملائکہ پرستی میں بھی مبتلا تھے۔ اور ملائکہ کو انھوں نے خدا کی بیٹیاں یا دیویاں ٹھہرا لیا تھا۔ ارشاد ہوا ہے

وجعلوا لہٗ من عبادہٖ جزءًا ان الانسان لکفور مبین ام اتخذ مما یخلق بنات واصفٰکم بالبنین

اور ان مشرکوں نے خدا کے بندوں سے خدا کا ایک جزو ٹھہرا لیا۔ بیشک انسان صریح ناشکرا ہے۔ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں

(الزخرف ع ۲) اپنے لئے بیں اور بیٹیوں سے تمھیں معزز کیا۔

اور دوسری جگہ رسول سے خطاب ہے۔

فاستفتهم الربك البنات ولهم البنون ام خلقنا الملائكة اناثاً وهم شاهدون۔	ان مشرکوں سے پوچھئے کہ کیا آپکے پروردگار کے لئے تو لڑکیاں ہیں اور ان لوگوں کے لئے لڑکے ہیں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں پیدا کیا اور یہ لوگ اس کے گواہ تھے۔
(الصافات ع ۵)	

ملائکہ پرستی کے علاوہ جنات پرستی بھی ان کے اندر موجود تھی۔

وجعلوا لله شركاء الجن و خلقهم (الانعام ع ۱۲)	اور مشرکوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنالیا حالانکہ اللہ ہی نے انھیں پیدا کیا ہے۔

جنات کو وہ اللہ کا قرابت دار سمجھتے تھے۔

وجعلوا بينه و بين الجنة نسبا (الصافات ع ۵)	ان مشرکوں نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ داری بنالی ہے۔

آفتاب پرستی اور ماہتاب پرستی کی جو صریح ممانعت قرآن مجید میں آئی ہے

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر (حم السجدہ ع ۵)	نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے۔

اس سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ معاصر مشرکین عرب، اجرام فلکی کی پرستش میں بھی بندنہ تھے۔

شراب، جوا، اور قمار کی مختلف قسمیں اتنی شائع تھیں کہ انھیں سختی سے روکنا پڑا۔

انما الخمر والميسر والانصاب — بات یہی ہو کہ شراب اور جوا اور بتوں کے

والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون۔

(المائدہ ع ۱۲)

تھان اور قرعہ کے تیر سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے۔ سو اب بھی تم ان چیزوں سے باز آؤ گے۔

اور سود خواری کو تو جس اہتمام بلیغ سے قرآن نے منع کیا ہے۔ وہ دس دلیلوں کی ایک دلیل ہے۔ اس واقعہ تاریخی کی کہ مشرکین عرب کے معاشرہ میں سود خواری خوب رچی بسی ہوئی تھی۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔

اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین

(البقرہ ع ۳۸)

اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو بقیہ سود کو اگر تم (واقعی) مسلمان ہو۔

دوسری جگہ بھی اسی تاکید کے ساتھ ہے۔

لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون

(آل عمران ع ۱۴)

سود نہ کھاؤ دونا چوگنا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

تیسری جگہ اسی شدت کے ساتھ۔

الذین یاکلون الربوا لا یقومون

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے نہیں

الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس۔ (البقرع ۳۸)	نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے آسیب پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

اور پھر سب سے بڑھ کر۔

فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (البقرع ۳۸)	اگر تم سود نہیں چھوڑتے ہو تو اشتہار جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول سے۔

اولاد کشی کا مرض بھی (کچھ آج ہی کے حالات سے ملتا ہوا) معاشی بنیادوں پر خوب پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے علاوہ ان آیتوں کے جو پہلے مذکور ہو چکیں۔ اس کی ممانعت اور اس پر وعید خاص طور سے نازل ہوئی۔ مثلاً

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأً کبیرا۔ (بنی اسرائیل ع ۴)	اور اپنی اولاد کو ہلاک نہ کر ڈالا کرو ناداری کے اندیشہ سے ہم ہی ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بیشک ان کا مار ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

اس اولاد کشی میں بھی خصوصیت کے ساتھ رواج دختر کشی کا بعض قبیلوں میں تھا۔ ان کے شرمندہ کرنے کا ذکر حشر میں ان سے سوال کے وقت کا کیا گیا۔

واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت (التکویر)	اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے حشر میں سوال ہوگا کہ وہ کس جرم میں مار ڈالی گئی۔

بے حیائی۔ بے حجابی۔ بلکہ بے ستری کے عیب بھی عام تھے۔ چنانچہ فاحشہ و فحش کی ممانعت بار بار آئی ہے۔ اور اس قسم کی آیتیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔

ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا	اور بے حیائیوں کے پاس بھی نہ جاؤ۔ خواہ

وما بطن (الانعام ع ۱۹) وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

یا مثلاً

قل انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منہا وما بطن (الاعراف ع ۴) آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بس بیحیائیوں کو حرام کر دیا ہے۔ خواہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

اور زنا کے لئے جو ہر جاہلی تمدن کی طرح اس عرب تمدن میں عام تھا۔ یہ تہدیدی حکم نازل ہوا۔

ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (بنی اسرائیل ع ۴) اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ بیشک وہ بیحیائی ہے اور ایک بری راہ بھی۔

ایک دستور یہ بھی جاری تھا، کہ خوشحال لوگ اپنی باندیوں کے جسم کو کرایہ پر چلاتے تے۔ وحی محمدی اسے کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ ارشاد ہوا۔

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء (النور ع ۴) اور اپنی باندیوں کو حرامکاری پر مجبور نہ کرو۔

کہیں کہیں عورتوں کو وراثت کا مال سمجھ کر خود ان پر بھی قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ حکم آیا کہ ایسا ہرگز درست نہیں۔

لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (النساء ع ۳) تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن جاؤ۔

یہ بھی ایک دستور تھا، کہ اپنی حقیقی ماں کے سوا۔ اور جو عورتیں باپ کے عقد میں ہوتی تھیں۔ انھیں مال وراثت سمجھ کر انھیں اپنی بی بی بنا لیا جاتا تھا۔ یہ رسم

بھی حکماً منائی گئی۔

ولا تنکحوا ما نکح آباءکم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا۔ (نساء ع ۲)	اور تم ان عورتوں سے عقد مت کرو جن سے تمہارے باپ عقد کر چکے ہوں مگر ہاں جو ہو چکا ہو چکا۔ بیشک یہ بڑی بیحیائی اور نفرت کی بات ہے اور بہت بُرا طریقہ ہے۔

عورتوں۔ مردوں کا آزادانہ میل جول اور اختلاط، اور لباس میں بے احتیاطی اور بد نظری۔ آج ہی کل کی تہذیب و تمدن کی طرح عام تھیں۔ ان سب پر طرح طرح کی پابندیاں لگائی گئیں۔ اور حد بندیاں عاید کی گئیں۔ ارشاد ہوا۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکیٰ لھم (النور ع ۴)	اے پیمبر مومنوں سے کہد یجیئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے

اور عورتوں کے حق میں اس سے کہیں زیادہ پابندیاں بڑھا کر ارشاد ہوا، کہ

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن (النور ع ۴)	اور مومن عورتوں سے کہد یجیئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہوتے دیں بجز اس کے جو اس میں سے کھلا ہوا ہے اور اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال رکھیں اور اپنی زینت نہ ظاہر ہونے دیں بجز اس کے کہ اپنے شوہروں پر۔

ان قریبی رشتوں کے نام بھی اس آیت میں آگے درج ہیں۔ رسالت محمدی کو جو معاشرہ تیار کرنا تھا۔ اس میں بہ خلاف معاشرۂ جاہلی کے یہ ساری قیدیں ضروری تھیں۔ چنانچہ آگے پھر ارشاد ہوا ہے کہ :-

ولا یضربن بارجلھن لیعلم	اور عورتیں زمین پر بھی اپنے پیر نہ ماریں
ما یخفین من زینتھن	کہ جس سے وہ زینت جسے وہ چھپاتی ہیں
(النور ع ۴)	ظاہر ہو جائے۔

بلکہ ازواج نبی اور بنات نبی کے علاوہ عام مومنات کے لئے بھی یہ قاعدہ نافذ ہو گیا کہ

یدنین علیھن من جلابیبھن	اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکائے رہیں۔ (احزاب ع ۸)

ایک جامع آیت میں آپ کو یہ بتا دیا کہ عورتیں جب آپ کی خدمت میں بیعت اسلام کے لئے حاضر ہوں تو آپ ان سے بیعت فلاں فلاں امور کے لئے لیں

یا ایھا النبی اذا جاءک المومنٰت	اے نبی جب مومنات آپ کے پاس ان امور
یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ	پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کا شریک کسی
شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن	شے کو نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ
اولادھن ولا یاتین ببھتان	بدکاری کریں گی۔ اور نہ اپنی اولاد کو ہلاک
یفترینہ بین ایدیھن و	کر ڈالیں گی اور نہ کوئی بہتان کی ردوادہ میں
ارجلھن ولا یعصینک فی معروف	گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان
فبایعھن (الممتحنہ ع ۲)	بنا لائیں اور نہ مشروع باتوں میں آپ کے خلاف
	کریں گی۔ تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے۔

اور عورت کی عام حالت اس جاہلی معاشرہ میں یہ تھی کہ لڑکی کا وجود باپ کے لئے باعث ننگ و کدورت تھا۔ اور اس کے لئے ایسی شرم کی چیز تھی کہ وہ ہر طرف منہ چھپائے چھپائے پھرتا تھا۔

قرآن مجید عربی معاشرہ کا یہ نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسوداً وھو کظیم یتوارٰی من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علیٰ ھون ام یدسہ فی التراب (نحل ع ۷)	اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے وہ اس خبر کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ اسے ذلت کے ساتھ قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے۔

جاہلی عرب کے عقائد اور اخلاق و معاملات کی دنیا میں تو یہ اندھیر مچا ہوا تھا ہی۔ عبادات کے عالم میں بھی سکہ جہالت و جاہلیت ہی کا رواں تھا۔ کعبہ کو واجب التعظیم اور اس کے زائرین کی خدمت کو اپنے لئے باعث فخر و سعادت یہ لوگ بھی اپنے لئے سمجھتے تھے۔

جیسا کہ سورہ توبہ کے رکوع ۲ کی آیت۔ اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام سے ظاہر ہو رہا ہے لیکن ان کی عبادت کا طریقہ کیا تھا؟ خانۂ کعبہ کے گرد سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا!

وما کان صلاتھم عند البیت الا مکاءً وتصدیۃ (انفال ع ۴)	ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا پاس نہیں کیا بجز سیٹیاں بجانے اور تالیاں بجانے کے۔

بلکہ اس عبادت کے وقت تو ان جاہلیوں کو رفع برہنگی اور لباس ساتر کی بھی پروا نہ تھی اور اس لئے قرآن مجید نے تاکید کی کہ

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (الاعراف ع ۳) — اے بنی آدم تم مسجد میں حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

اور مسلمانوں کی عبادت پر تو یہ لوگ اہل کتاب کے ساتھ مل کر مضحکہ و استہزا ہی کرتے رہتے۔

واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوًا و لعبًا (المائدہ ع ۹) — اور اے مسلمانوں جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔

مشرکین عرب کے بنیادی عقائد کے سلسلہ میں ان کی اعتقادی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی عملی، معاشری، اخلاقی زندگی کا بھی ذکر آ گیا۔ لیکن شرک جلی کی بھی ایک قسم ان میں رائج نہ تھی بعض کے عقائد کے ڈانڈے دہریت کی سرحدوں سے چھو جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر۔ (الجاثیہ ع ۲) — کوئی اور زندگی نہیں ہو بجز اس دنیوی زندگی کے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہمیں کوئی نہیں مارتا ہے بجز زمانہ کے۔

یعنی کوئی خالق بالا رادہ موجود نہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ مادی حیثیت سے زمانہ ہی کے الٹ پھیر سے ہوتا رہتا ہے۔ اور آخرت کی جزا و سزا سے انکار تو ان کے ہاں عام تھا۔ اور جو خدا کے کسی درجہ میں قائل بھی تھے وہ بھی اس کے قائل

بہر حال نہ تھے کہ موت کے بعد کسی اور عالم میں جانا اور وہاں کسی حاکم سے سابقہ پڑنا، اور کسی مالک کے حضور میں جانا ہے۔ یہ علانیہ کہتے ۔

ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین (الانعام ع ۳) کہ زندگی تو بس فی الحال کی ہے اور ہم بعد کو اٹھائے جانے کے نہیں۔

انکار آخرت کے اقوال قرآن مجید نے ان لوگوں کی زبان سے اس کثرت سے نقل کئے ہیں کہ معلوم ایسا ہوتا لگتا ہے کہ شاید انکار توحید سے بھی بڑھ کر یہ لوگ انکار آخرت میں سخت تھے اور یہ بات ان کی سمجھ میں کسی طرح نہیں آرہی تھی۔ کہ اس حیات مادی کے بعد ایک اور عالم بھی ہے۔ جہاں اس زندگی کے اعمال کی پرسش ہوگی۔ ان پچاسوں بلکہ شاید سیکڑوں اقوال سے صرف دو چار بطور نمونہ نقل ہوجانے کافی ہوں گے۔

یقولون ءانا لمردودون فی الحافرۃ ءاذا کنا عظاما نخرۃ قالوا تلک اذا کرۃ خاسرۃ۔ (النازعات ع ۱)

کہتے ہیں کہ ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجائیں گے۔ پھر واپس ہوں گے کہتے ہیں کہ اس صورت میں یہ تو ایسی بڑے خسارہ کی ہوگی۔

اور جنات کی زبان سے ہے۔

انھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا (الجن ع ۱)

اور جیسا کہ جنات نے خیال کر رکھا تھا۔ ویسا ہی ان انسانوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کریگا۔

اور پھر ایک جگہ منکرین کا قول نقل کیا ہے۔

ھٰذا شیء عجیب، اذا متنا	یہ تو عجیب بات ہے. کیا جب ہم مر گئے. اور
وکنا ترابا ذالک رجع بعید	مٹی ہو گئے (تو دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ
(ق۔ع ۱)	زندہ ہونا تو بہت ہی بعید ہے۔

پیمبر کی اس تذکیر آخرت پر بڑی حیرت سے یہ لوگ آپس میں کہتے۔

ھل ندلکم علیٰ رجل ینبئکم	ہم تم کو ایسا آدمی بتائیں نہ، جو تم کو یہ خبر
اذا مزقتم کل ممزق انکم لفی	دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو ضرور
خلق جدید افترٰی علی اللہ	ایک نئے جنم میں آؤ گے۔ اس شخص نے یا تو خدا
کذبا ام بہ جنۃ	پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے کسی طرح کا
(السبا ع ۱)	جنون ہے۔

اتنے ہی قول بالکل کافی ہیں۔ ورنہ اگر سارے قول منکرین آخرت کے نقل ہوں مع ان جوابات کے، جو قرآن مجید نے رسول اللہ صلعم کی زبان سے ادا کر دیئے ہیں۔ تو مقالہ اپنے حدود سے گزر کر ایک مستقل رسالہ کی ضخامت اختیار کر جائے۔

انھیں مشرکین میں ایک بہت بڑا فرقہ ایسا بھی تھا، جو کو خدا اور خدائے اعظم کا قائل کسی حد تک تھا۔ لیکن وحی الٰہی اور نبی کے ذریعہ سلسلۂ ہدایت کا یکسر منکر تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ تو آجاتا تھا کہ خدا کے اولاد ہے۔ یا یہ کہ خدا خود انسانی قالب اختیار کرکے دنیا میں آگیا۔ لیکن یہ کسی طرح بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خدا نے ایک بشر کو ذریعۂ ہدایت بنا کر بھیجا اور اسے مرضیات الٰہی کے تمام نکتے اور طریقے بتلا دیئے یہ لوگ بگڑ کر کہتے۔

ابشر یھدوننا (التغابن ع ۱)	ہماری ہدایت کو بشر آتے ہیں

اور کبھی یہ کہ۔

اَبَعَثَ اللہ بشراً رسولاً — کیا خدا نے رسول بنا کر بشر کو بھیجا ہے؟

(بنی اسرائیل ع ۱۱)

کبھی آپس میں پیمبر کے حق میں سرگوشیوں میں کہتے۔

ھل ھٰذا الا بشر مثلکم — یہ تو بس تم ہی جیسا ایک بشر ہے

(انبیاء ع ۱)

اور کبھی آپ کے لوازم بشریت کو آپ کے خلاف بہ طور دلیل کے پیش کرتے۔

مال ھٰذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک (الفرقان ع ۱) — اس پیمبر کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا۔

اور چونکہ بشر پر وحی آنا۔ ان لوگوں کے دماغ کوتاہ بیں بشریت کے منافی تھا۔ اس لئے یہ لوگ قدرۃً تکذیب رسول پر مجبور تھے۔ اور کبھی یہ کہتے کہ آپ مجنون ہیں۔

وقالوا یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون۔ — اور ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے۔ تم تو مجنون ہو

(الحجر ع ۱)

کبھی کہتے۔

ام بہ جنۃ (السبا ع ۱) — انھیں کیا کچھ جنون ہے۔

قرآن نے خود ان کے متعلق سوال کیا ہے۔

ام یقولون بہ جنۃ (المومنون ع ۴) — کیا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں؟

کبھی ان کی تشخیص و تجویز میں آپ خیالی مضمون باندھنے والے اور موثر عبارت میں ادا کرنے والے شاعر ٹھہرتے۔ اور آپ کی وحی قرآنی ایک خواب پریشاں اور آپ کی گڑھی ہوئی قرار پاتی۔

بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ھو شاعر (الانبیاء ع ۱) — بلکہ یوں کہا کہ یہ تو خیالات پریشاں ہیں۔ بلکہ انھوں نے اسے تراش لیا ہے۔ بلکہ یہ ایک شاعر شخص ہے۔

دوسری جگہ قرآن نے کہا ہے۔

ام یقولون شاعرٌ نتربص بہٖ ریب المنون ۔ (الطور ع ۲) — کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں

اور کبھی شاعری کے ساتھ دیوانگی کا بھی اضافہ کر دیتے۔

ویقولون ائنا لتارکوا آلھتنا لشاعر مجنون (الصافات ع ۲) — اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے دیوتاؤں کو ایک شاعر دیوانہ کی خاطر چھوڑ دیں؟

اور کبھی الفاظ بدل کر اسی مضمون کو یوں ادا کرتے۔

وقد جاءھم رسول مبین ثم تولوا عنہ وقالوا معلّم مجنون (الدخان ع ۱۱) — بیشک ان کے پاس ایک کھلا ہوا پیمبر آچکا پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ سکھایا ہوا ہے۔ دیوانہ ہے۔

شاعری اور جنون کے ساتھ ایک تیسری تشخیص سحر زدگی کی بھی تھی۔

قال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورًا (الفرقان ع ۱) — یہ ظالم لوگ (آپس میں) کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

اور یہی مضمون ایک دوسری جگہ :-

اذ ھم نجویٰ اذ یقول الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً (بنی اسرائیل ع ۵) — (ہم خوب جانتے ہیں) جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جبکہ یہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

اور کبھی آپ کی نسبت سحر و کہانت کی جانب کرتے جو ان کی دانست میں دو زبردست اور موثر فن، غیب سے تعلق رکھنے والے تھے۔ قرآن مجید کو اس کی صاف صاف تردید کرنا پڑی۔ اور کہنا پڑا :-

وما ھو بقول شاعر (الحاقۃ ع ۱) — یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔

اور

وما ھو بقول کاھن (ایضاً) — یہ کسی کاہن کا کلام نہیں۔

یہ باہم خود بھی کبھی کسی ایک بات پر جمتے نہ تھے۔ اور قرآن نے انھیں مخاطب کر کے صاف کہہ دیا کہ۔

انکم لفی قول مختلف یوفک عنہ من افک (الذاریات ع ۱) — تم لوگ مختلف گفتگو میں (پڑے ہوئے ہو) اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا مقدر ہوتا ہو

اور ان کے خرافات کے الگ الگ بھی جوابات دیئے اور ان کی ایک ایک غلط بیانی کی تردید کی۔ مثلاً

وما صاحبکم بمجنون (التکویر) — اور یہ تمہارے رفیق دیوانے نہیں ہیں۔

یا

وما انت بنعمة ربك بمجنون (القلم ع ۱)
آپ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔

یا پھر

فما انت بنعمة ربك بکاهن ولا مجنون۔ (الطور ع ۲)
تو آپ اپنے پروردگار سے فضل سے نہ کاہن ہیں نہ دیوانے۔

قرآن کے اثر سے ان منکرین و معاندین کے لئے بھی انکار ممکن نہ تھا۔ مشاہدہ کی چیز تھی۔ قرآنی اثر کی گہرائی اور وسعت دونوں بہ براہ راست مشاہدہ ہی کرتے رہتے تھے۔ اس لئے رائے آخر یہ ہوئی کہ ہو نہ ہو۔ یہ قرآن انھوں نے دل سے گڑھ لیا ہے۔ اور ان کی امداد و اعانت پر ایک پوری جماعت بھی ہے۔

ان هذا الا افك افتراه واعانه عليه قوم آخرون (الفرقان ع ۱)
یہ قرآن تو نری ایک گڑھنت ہی جس کو اس شخص نے گڑھ لیا ہے اور ایک اور جماعت نے اس میں ان کی مدد کی ہے۔

پھر آپ کے وصف اُمّیت سے بھی چونکہ یہ لوگ براہ راست واقفیت رکھتے تھے اس واسطے یہ کہتے کہ یہ اگلوں کی خرافاتی حکایات انھوں نے کسی سے لکھوا رکھی ہیں۔ اور وہ انھیں صبح و شام پڑھ کر سنادی جاتی ہیں۔

وقالوا اساطير الاولين اكتتبها فهي تملى عليه بكرة واصيلا (الفرقان ع ۱)
یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کے بے سند قصے ہیں جن کو اس شخص نے (کسی سے) لکھوا لیا۔ اور یہی اس کو صبح و شام پڑھ کر سنادی جاتی ہیں۔

اور کبھی یہ دُور کی کوڑی لاتے، کہ یہ تو فلاں شخص نے انھیں سکھا پڑھا رکھا ہے

ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر (النحل ع ۱۴) — اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک بشر نے انھیں سکھلا دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید ان لوگوں کے خیال میں اور آج کے بہت سے روشن خیال ز لوگوں کے خیال کے مطابق ایک گڑھا ہوا کلام تھا۔

وقالوا ما ھذا الا افک مفتری (السبا ع ۵) — اور یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو بجز ایک گڑھے ہوئے بہتان کے کچھ نہیں۔

بلکہ ان مشرکوں کے ایک رئیس و سردار نے ایک بار بڑے سوچ بچار کے بعد اپنا فیصلہ یہ سنا دیا تھا کہ

فقال ان ھذا الا سحر یوثر — یہ تو نرا ایک جادو ہے۔ جو قدیم سے چلا آرہا ہو

ان ھذا الا قول البشر (المدثر ع ۲) — اور یہ تو نرا ایک بشر کا کلام ہے۔

قرآن مجید نے شافی جواب ان میں سے ہر خرافت کا دیا ہے۔ یہاں ان جوابات سے بحث نہیں یہاں تو دکھانا صرف یہ ہے کہ جس قوم کی براہ راست اور اصالتہً اصلاح کے لیے رسول اللہ مبعوث ہوئے تھے۔ اس کی اعتقادی، عملی، اخلاقی زندگی کا نفسیاتی پس منظر کیا تھا۔ اور اس نے آپ کے پیام کی پذیرائی کس طرح کی۔

شرک میں ڈوبی ہوئی قوم کی ناخوشی کی اصل بنیاد یہ تھی کہ یہ پیامبر جو کلام سناتے ہیں۔ اس میں ذکر سارے دیوی دیوتاؤں اور چھوٹے بڑے خداؤں کو چھوڑ کر نام صرف اللہ ہی کا کیوں لئے جاتے ہیں اور دعوت اس اکیلے معبود کے ماننے کی کیوں دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے انھیں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

وإذا دعی اللہ وحدہ کفرتم وان یشرک بہ تومنوا (المومن ع ۲)

جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو تم انکار کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا ہے تو تم مان لیتے ہو۔

ضد اللہ کے نام سے بہ شمول شرکت دوسرے معبودوں کے نہ تھی اصل ضد اس سے تھی کہ اس اللہ کی وحدت، وحدانیت پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے! اور پھر ارشاد ہوا ہے -

واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون (الزمر ع ۵)

اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہونے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں

اور ایک جگہ پھر یہی شہادت قرآن پیش کرتا ہے۔

واذا ذکرت ربک فی القرآن وحدہ ولوا علی ادبارھم نفورا (بنی اسرائیل ع ۵)

اور آپ جب قرآن میں صرف اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں، تو یہ لوگ پشت پھیر کر چل دیتے ہیں، نفرت کرتے ہوئے۔

ایسی قوم کو داعیٔ توحید سے نفرت و عداوت ہو جانا لازمی تھا اور قرآن مجید نے امت محمدی کو مخاطب کرکے سنا بھی دیا تھا کہ اہل کتاب کے علاوہ ان مشرکوں سے بھی تمھاری بہت کچھ دلآزاری ہونا ہے -

ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا (آل عمران ع ۱۹)

اور تم ضرور سنو گے بہت سی دلآزاری کی باتیں ان سے بھی جنھیں تم سے قبل کتاب مل چکی ہے اور ان سے بھی جو مشرک ہیں۔

(ب)

یہود و نصاریٰ

کئی سورتوں میں ذکر کثرت سے المشرکین کا اور الذین اشرکوا کا،
یا مطلق صورت میں الذین کفروا کا یا الکفار کا اور انکا فرون کا آتا ہے یا پھر
ان سے بھی مطلق تر صورت میں الناس کا آتا ہے۔ لیکن مدنی سورتوں میں یہ مخاطبت
و مذاکرت اهل الکتاب یا الذین اوتوا الکتاب سے بدل گئی ہے۔

اہل کتاب سے آپؐ کا سابقہ مدینہ میں آکر پڑا۔ اور اہل کتاب سے مراد عموماً
یہودی ہیں۔ مگر کہیں کہیں نصرانی بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ قیام مکہ میں
جب تک سابقہ صرف مشرکین یعنی منکرین توحید و آخرت سے رہا۔ اعتراضات
کی نوعیت دوسری رہی قیام مدینہ کے بعد دوسری ہو گئی۔ اس لئے کہ یہ لوگ
توحید اور سلسلہ وحی نبوت کے لفظاً قائل تو بہر حال تھے۔ آپؐ نے آتے ہی
اہل کتاب کو صلح و آشتی کا پیغام قرآن کی زبان سے اور اس کے حکم کی تعمیل
میں دے دیا تھا اور اس قسم کی آیتیں بار بار تلاوت فرما دی تھیں۔

قل یا اهل الکتاب تعالوا الیٰ　　　آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسے قول کی

کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ (آل عمران ع ۷) — طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہو وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا) رب بجز اللہ کے نہ ٹھہرائے

اور اس حقیقت کو بار بار دہرایا کہ جو کتاب میں لے کر آیا ہوں یہ تو عین تمھاری کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے۔ کہیں اس کتاب کو۔

مصدق لما معھم (بقرہ ع ۱۱) — جو کچھ ان کے پاس ہو اس کی تصدیق کرنے والی

ارشاد فرمایا گیا اور کہیں۔

ھو الحق مصدقا لما معھم (بقرہ ع ۱۱) — یہ تو عین حق ہو (اور) جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والی۔

اور کہیں۔

مصدقا لما بین یدیہ (بقرہ ع ۱۲) — اپنے سے پیش رو کی تصدیق کرنے والی۔

اور کہیں۔

مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب (المائدہ ع ۷) — اپنے سے پیش رو کتاب کی تصدیق کرنیوالی

اور کہیں

مصدق الذی بین یدیہ (المائدہ ع ۱۱) — اپنے پیش رو کی تصدیق کرنے والی۔

وغیرہا اور کہیں بجائے صیغۂ غائب کے صیغۂ مخاطب میں۔

مصدقا لما معکم — جو کچھ تمھارے پاس ہو اس کی تصدیق کرنیوالی

اور کہیں کتاب کے بجائے خود صاحب کتاب یعنی رسول صلعم ہی کو اصالتہً کتب سابقہ کا مصدق کہہ کر پیش فرمایا گیا ہے۔

رسول من عند اللہ مصدق لما معھم (بقرہ ع ۱۲)	یہ خدا کی طرف سے رسول ہیں تصدیق کرنے والے اس کے جو کچھ تمھارے پاس ہے۔

یا

رسولٌ مصدق لما معکم (آل عمران ع ۹)	رسول تصدیق کرنے والے اس کے جو کچھ تمھارے پاس ہے۔

وقس علیٰ ہذا۔ اور کہیں کہیں نام کی صراحت کے ساتھ یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ توریت و انجیل خدا کی کتابیں ہیں۔ قرآن مجید کی پیش رو اور اپنے مخاطبین کے لئے سرمایۂ ہدایت و رحمت۔ مثلاً

وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس (آل عمران ع ۱)	اور اللہ نے اتاری توریت و انجیل اس سے قبل لوگوں کی ہدایت کے لئے

یا

وآتینا موسی الکتاب وجعلنا ھدی لبنی اسرائیل (بنی اسرائیل ع ۱)	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا۔

یا پھر

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور (المائدہ ع ۷)	بے شک ہم نے اتاری توریت جس میں ہدایت اور نور تھے۔

اسی طرح مکرر۔

ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً و رحمۃ (ہود ع ۲۔ احقاف ع ۲)

اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو رہنما اور ایک رحمت ہے

علی ہذا یہ آیت بھی۔

وآتیناہ الانجیل فیہ ھدی ونور ومصدقاً لما بین یدیہ من التوراۃ وھدی وموعظۃ للمتقین (المائدہ ع ۷)

اور ہم نے (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور جو تصدیق کرتی ہے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی توریت کی اور جس میں ہدایت و نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

اور پھر اسی سلسلہ میں یہ آیت بھی۔

ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ (ایضاً)

اور انجیل والوں کو چاہیئے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں اتارا ہے۔ فیصلہ اس کے مطابق کریں۔

لیکن اس ساری رواداری اور مصالحت کوشی کے باوجود ان گروہوں کا رویہ غیر دوستانہ اور نامصالحانہ ہی رہا۔ یہ بات بہ ظاہر عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس رویہ میں کوئی بات خلاف توقع نہ تھی۔ صدیوں کے بگاڑ نے ان کی طبیعتوں کو مسخ کرکے رکھدیا تھا۔ اور عقائد و اعمال دونوں ان کے اس قسم کے ہوگئے تھے۔ کہ دعوت اسلامی کی زد وہ براہ راست اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔

یہود ایک دینی اور مذہبی اصطلاح ہے۔ قومی اور نسلی نام ان لوگوں کا بنی اسرائیل تھا۔ بڑا اعزہ ان کو اپنی عالی نسبی اور پیمبر زادگی پر تھا۔ گناہ کی جو منزل بھی ان کے سامنے آجاتی بلاتامل اس پر گامزن ہوجاتے اور سمجھتے کہ معاف تو بہرحال ہم

ہو ہی جائیں گے۔ قرآن مجید نے یہ منظر کشی یوں کی ہے۔

یاخذون عرض ھذا الادنیٰ	یہ لوگ مال متاع اس دنیائے دنی کا لیتے
ویقولون سیغفر لنا وان یاتھم	ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ضرور
عرض مثلہ یاخذوہ	ہو جائے گی۔ اور اگر ایسا ہی مال متاع پھر
(الاعراف ع ۲۱)	آ جائے تو اسے بھی لے لیں۔

اور کبھی اپنی پیمبر زادگی کے فخر و پندار میں مبتلا ہو کر کہنے لگتے، کہ

لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ	سوا گنتی کے چند روز کے (دوزخ کی) آگ
البقرۃ ع ۹)	تو ہمیں چھوئے گی ہی نہیں۔

ایاما معدودات (آل عمران ع ۳)

اور اس قسم کی ساری خوش خیالیاں اس بنا پر تھیں کہ انھوں نے بنیادی عقیدے بھی خود ہی گڑھ رکھے تھے۔

وغرھم فی دینھم ما	اور دین کے بارہ میں ان کے گڑھے ہوئے
کانوا یفترون	عقیدوں ہی نے تو انہیں دھوکے میں ڈال
(آل عمران ع ۳)	رکھا ہے۔

اپنے علماء و مشائخ کی تعظیم و تکریم میں غلو کر کے گویا انہیں پرستش کا درجہ دے رکھا تھا۔ اور سمجھ رکھا تھا کہ ان سے کسی قسم کی غلطی و لغزش کا امکان ہی نہیں۔

اتخذوا احبارھم و رھبانھم	ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے عالموں اور
اربابا من دون اللہ (التوبۃ ع ۵)	مشائخوں کو بھی خدا بنا کر کھڑا کیا ہے۔

جنت یا آسمانی بادشاہیت میں داخلہ کو یہ اپنی قوم کے ساتھ مخصوص سمجھ

چکے تھے۔ قرآن مجید نے اس پہ جرح کی اور ان سے حجت طلب کی، تو یہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے ارشاد ہوا ہے۔

وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصاریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ (البقرہ ع ۱۳)	یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود یا نصاریٰ کے سوا کوئی جانے بھی نہ پائے گا۔ یہ انکی اپنی دل کی آرزوئیں ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ اپنی دلیل تو پیش کرو۔ اگر اپنے دعوے میں سچے ہو۔

معاصر یہود با این ادعائے دینداری دنیا پرستی میں اوپر سے لے کر نیچے تک ڈوبے ہوئے تھے۔ رسول کی زبان سے انھیں کھلا یا گیا۔ کہ عالم آخرت کو اپنے ہی لئے مخصوص سمجھتے ہو۔ تو پھر موت کی تمنا کر دیکھو۔ لیکن یہ تمنا یہ لوگ کرتے تو کیسے کرتے حُبّ دنیا میں سرتا پا غرق جو تھے۔

قل ان کانت لکم الدار الاخرۃ عند اللہ خالصۃ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولن یتمنوہ ابدًا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظالمین (البقرہ ع ۱۱)	آپ کہہ دیجئے کہ اگر عالم آخرت مخصوص تمہارے ہی لئے ہے بغیر اوروں کی شرکت کے۔ تو تم موت کی تمنا کرکے دکھلا دو اگر تم سچے ہو۔ اور یہ ہرگز کبھی اس کی تمنا کبھی بھی نہ کریں گے۔ بسبب ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں۔ اور اللہ کو خوب علم ہے ان ظالموں کا۔

قبول حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اور ان کے قلب سب بند تھے۔ اور یہ فخریہ کہتے تھے۔

قالوا قلوبنا غلف (البقرہ ع ۱۱)	یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔

یہود و نصاریٰ دونوں نسلی مفاخرت کے مرض میں بری طرح مبتلا تھے۔ اور خدا کے ساتھ اپنا مخصوص رشتہ سمجھے ہوئے تھے۔

وقالت الیھود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ واحباؤہ (المائدہ ع ۳) — یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کے خاص فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔

رسول کی شناخت میں یہ نہیں کہ انھیں کوئی علمی دھوکا ہوگیا ہو جان بوجھ کر محض اپنی بدنفسی سے رسول کی صداقت کا انکار کر رہے تھے۔

فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین (البقرہ ع ۱۱) — پھر جب ان کے پاس وہ چیز آپہنچی جسے یہ پہچانتے ہیں تو یہ اس کا انکار کر بیٹھے۔ سو اللہ کی مار ہوا ایسے منکروں پر۔

علامتوں سے تو یہ رسول اللہ کو اس طرح پہچان چکے تھے جیسے اپنی قوم والوں کو پہچانتے تھے۔ محض ضد اور نفسانیت قبول حق کی راہ میں حائل ہوگئی۔

الذین اتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم (البقرہ ع ۱۷) — جن لوگوں کو (پہلے) کتاب آسمانی مل چکی ہے وہ ان (رسول) کو ایسا پہچانتے ہیں۔ جیسا اپنے ہی (قوم کے) فرزندوں کو۔

ان کے اکابر و شیوخ جن کی تقلید و اقتداء میں یہ مٹے جاتے ہیں ان کی خود یہ حالت تھی کہ ہر طرح کی زر اندوزی اور باطل پرستیوں میں مبتلا تھے۔

وان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ (التوبہ ع ۵) — بے شک ان (اہل کتاب) کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کے مال ناحق نادرماڈ کو ستے اور راہ خدا سے لوگوں کو روکتے رہتے ہیں۔

یہود جس درجہ کی دنیا پرستی میں مبتلا تھے، قرآن مجید نے اسے بار بار چیلنج کیا ہے۔ ایک آدھ آیت اس مضمون کی ابھی آپ سن چکے ہیں۔ اب دو ایک آیتیں اور ملاحظہ ہوں۔

قل یا ایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونہ ابداً بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظالمین۔ (الجمعہ ع ۱)	اے پیمبر آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو جو یہودی ہو چکے ہو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم خدا کے چہیتے ہو دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر۔ تو اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ۔ لیکن تم یہ تمنا کبھی نہ کر سکو گے بہ سبب ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہو۔ اور اللہ خوب واقف ہے (ایسے) ظالموں سے۔

ان آیتوں سے صاف جھلک رہا ہے کہ یہودی ضمیر خود اپنے تئیں مجرم سمجھ رہا تھا اور اس کا رد و انکار نبوت محمدی سے ہرگز کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر نہ تھا۔

اور ایک جگہ اور انہیں یہود کے سیاق میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولتجدنھم احرص الناس علی حیاۃ ومن الذین اشرکوا یود احدھم لو یعمر الف سنۃ وما ھو بمزحزحہ من العذاب ان یعمر واللہ بصیر بما یعملون (البقرہ ع ۱۱)	اور آپ انہیں زندگی کا حریص اور آدمیوں سے بڑھ کر پائیں گے مشرکوں سے بھی (بڑھ کر) ان میں سے ہر ایک اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار سال کی ہو، حالانکہ یہ امر کہ (اتنی) عمر ہو جائے عذاب سے تو بچا سکتا نہیں۔ اور اللہ کے سامنے پیش نظر ہیں۔ ان کے اعمال۔

اس سے زیادہ تصریح اس حقیقت کی کیا ہوگی کہ معاصر یہود کی دنیا پرستی مشرکین

تک سے بڑھتی ہوئی تھی۔ اور اتنا ہی نہیں۔ بلکہ قرآن کی روشنی میں تو یہ صاف نظر آ جاتا ہے
کہ یہ جو کچھ بھی کر رہے تھے۔ سب بالارادہ اور نفسانیت سے مغلوب ہو کر۔

بئسما اشتروا بہ انفسھم	بُری ہے وہ حالت جس میں پڑ کر وہ اپنی جانوں کو
ان یکفروا بما انزل اللہ بغیاً	چھڑانا چاہتے ہیں۔ یعنی انکار کرتے ہیں ایسی چیز کا
ان ینزل اللہ من فضلہ علے	جو اللہ نے نازل فرمائی محض اس ضد پر کہ اللہ
من یشاء من عبادہ فباؤ وا	اپنے فضل سے جس بندہ پر چاہے اسے نازل
بغضب علیٰ غضب	فرمائے۔ سو یہ لوگ مستحق ہو گئے غضب بالائے
(البقرہ ع ۱۱)	غضب کے۔

اور یہ بغیاً بینھم، یعنی آپس کی ضدم ضدا کا لفظ قرآن مجید بار بار ان لوگوں کے لئے لایا ہے اور خود اس آیت میں تو صاف ہے کہ یہ لوگ جو ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ تو محض رشک و عناد کی بنا پر اور عناد کی بنا کھلی ہوئی یہ تھی کہ یہ لوگ اعزاز نبوت کا مستحق صرف اپنی قوم اسرائیلیوں کو سمجھتے تھے اور انہیں اس کا حسد تھا کہ یہ نعمت ان کی قوم سے نکل کر ایک عرب یا اسمٰعیلی کو کیسے مل گئی۔ قرآن مجید نے حسداً من عند انفسھم کے علاوہ ان کی اس خاص ذہنیت کی بھی پردہ دری کی ہے۔

ام یحسدون الناس علیٰ ما	کیا یہ لوگ ان لوگوں سے حسد کرتے رہتے ہیں
آتاھم اللہ من فضلہ (النساء ع ۸)	جنہیں اللہ نے اپنے فیض سے نوازا ہے؟

یہ اپنی آسمانی کتابوں میں کھلی کھلی تحریف کر چکے تھے۔ اور ان کی جبارتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ اپنی مرضی و مصلحت کے مطابق جو چاہتے ان خدائی صحیفوں میں

گھٹا بڑھا دیتے۔ قرآن مجید نے یہ جُرم ان پر ایک بار نہیں بار بار عائد کیا ہو۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون۔ (البقرہ ع ۹)

ان ہی میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ جو کلام الٰہی کو سنتے تھے اور پھر اس کے سمجھ لینے کے پیچھے اس میں تحریف کر ڈالتے تھے اور وہ یہ جانتے بھی تھے۔

اور اسی کے چند سطروں بعد ارشاد ہوا ہے۔

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔ (البقرہ ع ۹)

بڑی ہی خرابی ہو ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے۔ پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے تھیل وصول کرلیں۔ سو بڑی ہی خرابی آئے گی ان کو اس کی بدولت۔ جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا۔ اور بڑی خرابی ہوگی ان کو اس کی بدولت جسے وہ وصول کیا کرتے تھے۔

اور یہاں سے یہ بھی صاف ہوگیا کہ اس تحریف سے مقصود تمامتر حصول دنیا ہی ہوتا۔ اسی دنیا کی کوئی مصلحت یا منفعت۔ ــ ایک اور نقشہ ان کی اسی جسارت دینوی اغراض کے لئے۔ بیباکی کا ملاحظہ ہو:۔

وان منھم لفریقا یلوٗن السنتھم

اور ان اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ہیں جو

بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما هو من الکتاب. و یقولون هو من عند اللہ وما هو من عند اللہ و یقولون علی اللہ الکذب و هم یعلمون (آل عمران ع ۸)

کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (کے پڑھنے) میں تا کہ تم لوگ اس کو کتاب کا جزو سمجھ لو۔ حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہے حالانکہ وہ خدا کے پاس سے نہیں ہو۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ درآنحالیکہ اسے جانتے بھی ہیں)

ان کے اس تصرف و تحریف کا ذکر ایک جگہ اور ملاحظہ ہو۔

ومن الذین هادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ (النساء ع ۷)

یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو کلام کو اس کے موقعوں سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔

اور پھر اس فرد جرم کی تاکید و تکرار کے طور پر ایک جگہ اور د۔

یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظاً مما ذکروا بہ ولا تزال تطلع علی خائنۃ منہم الا قلیلاً منہم (المائدہ ع ۳)

یہ لوگ کلام کو اس کے موقعوں سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور یہ لوگ جو کچھ انھیں نصیحت کی گئی تھی۔ اس کا ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے ہیں اور آپ کو آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی ہی رہتی ہے۔

بجز ان میں سے معدودے چند کے سب یہیں سے اس حقیقت تاریخی پر بھی روشنی پڑ گئی۔ کہ حضور کے زمانہ میں بداخلاقی اور بد دیانتی عام ہو چکی تھی۔ اور ان کی اخلاقی پستی یہی حد کو پہنچ چکی تھی اور ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو۔

یحرفون الکلم من بعد مواضعہ — یہ لوگ کلام کو بعد اس کے وہ اپنے موقع پر ہو بدل دیتے ہیں۔ اور دوسروں سے کہتے ہیں
یقولون ان اوتیتم ھذا — کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو اس کو قبول کر لینا اور اگر
فخذوہ وان لم تؤتوہ فاحذروا — تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے احتیاط رکھنا۔
(المائدہ ع ۶)

جس قوم کی جسارت یہاں تک بڑھ جائے کہ وہ اپنی آسمانی کتاب میں بلا تامل تحریف وتصرف کر ڈالے۔ اس کے لئے اس سے اتر کر دنیا کی عام بداخلاقیاں باقی ہی کیا رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان معاصر یہودیوں کی اخلاقی پستیوں کو بار بار کھول کر بیان کیا ہے اس کے کئی حوالہ آپ پہلے سن آئے ہیں۔ اب کچھ اور حاضر ہیں۔

ومن الذین ھادوا سمعون — اور یہود میں سے ایسے بھی ہیں۔ جو جھوٹی
للکذب (المائدہ ع ۶) — باتیں خوب سنتے رہتے ہیں۔

اور جھوٹی باتیں سننے کا چسکا بھی ہے۔ تو دوسروں یعنی منافقین مدینہ کی خاطر

سمعون لقوم آخرین (ایضاً) — جھوٹی باتیں سننے والے بھی دوسروں کی خاطر

اور پھر بلا کسی لاگ لپیٹ کے ارشاد ہوا ہے۔

سمعون للکذب اکالون — خوب سننے والے ہیں جھوٹی باتوں کے اور
للسحت (ایضاً) — بڑے کھانے والے ہیں حرام کے۔

قرآن مجید نے بے دھڑک ان کے لئے حکم لگا دیا، کہ باوجود دعویٰ ایمان تم میں سے اکثر ایمان سے خارج ہی ہیں۔

وان اکثرکم لفاسقون — اور بیشک تم میں سے اکثر نافرمان
(المائدہ ع ۹) — ہی ہیں۔

اور سُحت کے اندر رشوت وغیرہ سارے ہی قسمیں حرام کی آگیئں لہ

اور پھر اسی سیاق میں چند سطریں آگے چل کر ارشاد اور زیادہ صراحت وعموم کے ساتھ ملتا ہے۔

وتری کثیرا منھم یسارعون فی الاثم والعدوان واکلھم السحت لبئس ما کانوا یعملون (المائدہ ع ۹)	اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر معصیت اور سرکشی اور حرام خوری پر گرتے ہیں۔ واقعی بہت بُرے ہیں ان کے یہ کرتوت۔

اس عموم کے اندر سب ہی کچھ آگیا ـــــ اور معًا بعد اس راز سے ایک اور پردہ اٹھتا ہے۔

لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم و	آخر ان کو ان کے مشائخ وعلماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں

اکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون (ایضًا) روکتے؟ واقعی بہت بُرا ہے ان کا یہ کردار اور یہ اکابر اپنے اصاغر کو روکتے کیسے۔ یہ تو خود ہی اس بلا میں مبتلا اور اسی کشتی میں سوار تھے۔ چند سطر بعد اور آگے بڑھ کر یہود ونصاریٰ دونوں کو ملا کر عام اہل کتاب کے حق میں ارشاد ہوتا ہے۔

وکثیر منھم ساء ما یعملون (ایضًا)	ان میں سے بہتوں کے کردار بُرے ہی ہیں

لہ سُحت عام ہے ہر اس حرام خوری کے لئے جو انسان کیلئے باعث ننگ ورسوائی ہو ھُوَ کل حرام قبیح الذکر یلزم منہ العار (کلیات ابی البقاء)

اور پھر ان عام اہل کتاب کے تمرد و طغیان کے لئے یہ آیت شاہد و صادق ہے۔

ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا فلا تاس علی القوم الکافرین (المائدہ ع ۱۰)

اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے وہ ضرور ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر بڑھا دیتا ہے، تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجئے۔

اس آخری فقرہ نے ضمناً یہ بھی ظاہر کر دیا کہ حضورؐ غایت شفقت سے ان منکروں سرکشوں اور معاندوں کی خاطر بھی غمگیں رہا کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ اصلاً دونوں قومیں موحد تھیں۔ بلکہ یہود میں تو آثار توحید زیادہ نمایاں اور بہت عرصہ تک قائم رہے تھے۔ پھر بھی یہ لوگ مشرک قوموں خصوصًا یونانیوں اور رومیوں کے اثرات سے بہت زیادہ متاثر ہو چکے تھے اور یونانی فلسفہ کی راہ سے آیا ہوا شرک ان کے عقیدوں میں اچھی طرح گھر کر چکا تھا۔ چنانچہ خود حضورؐ کو واسطہ بنا کر ان قوموں کو یوں مخاطب کیا گیا ہے۔

قل یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل (ایضًا)

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو، اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی گمراہی میں پڑ چکے ہیں۔ اور بہتوں کو گمراہی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

یہ دین کی باتوں میں خواہ مخواہ غلو کرنا۔ اور اللہ نے جو حدود قائم کی ہیں ان سے

خواہ مخواہ تجاوز کرنا عین گمراہی کے راستہ پر جا پڑتا ہے۔ اور یہود اور نصرانیوں دونوں نے یہ غالیانہ و نیم مشرکانہ بلکہ صریح مشرکانہ عقیدے بجز بدوم تکے گرد رہنے والی قوموں ہی سے لئے تھے۔ یہود نے زیادہ تر یونانیوں سے۔ اور نصرانیوں نے زیادہ تر رومیوں سے۔

کافر قوموں سے دوستی و موالات اس وقت تک گویا ان کے ضمیر میں داخل ہو چکی تھی، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

تری کثیرا منھم یتولون الذین کفروا (المائدہ ع ۱۱)	آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کر رہے ہیں۔

یہود کو مسلمانوں سے اس درجہ خلش بڑھ گئی تھی، کہ ان پر مشرکوں کو ترجیح دینے لگے تھے۔

الم تر الی الذین اوتو نصیبا من الکتاب یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدیٰ من الذین آمنوا سبیلاً (النساء ع ۸)	کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان کو مان رہے ہیں۔ اور کافروں کی بابت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر تو یہی لوگ ہیں۔

یہود کو عداوت اسلام اور مسلمانوں سے اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ قرآن مجید کو آخر اعلان یہ کرنا پڑا کہ اسلام دشمنی کے لحاظ سے تو مشرکین عرب اور یہود ایک سطح پر ہیں

ولتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا (المائدہ ع ۱۱)	آپ پائیں گے کہ مسلمانوں سے دشمنی رکھنے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر یہود اور مشرکین ہی ہیں

بغض و عداوت میں یہ اس درجہ حد سے گزر گئے تھے کہ معاشرہ کے عام آداب تہذیب کی بھی پروا انھیں نہیں رہ گئی تھی۔ اور جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو بدتمیزی کے کلمات بے تکلف زبان پر لے آتے۔ قرآن مجید نے اس خاص جزئیہ کی بھی نشان دہی پوری طرح کر دی۔

ویقولون سمعنا وعصینا واسمع	اور یہ لوگ سمعنا و عصینا اور اسمع غیر مسمع
غیر مسمع وراعنا لیا بالسنتھم	کہتے ہیں اپنی زبانوں کو مروڑ کر اور دین میں
وطعنا فی الدین ولو انھم قالوا سمعنا	طعن کی راہ سے اور ان کے حق میں بہتر ہوتا اگر

واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیرا لھم (النساء ع ۷) یہ سمعنا و اطعنا کہتے اور (صرف) اسمع اور انظرنا

اور انھیں میں بعض ایسے "شریف طینت" بھی تھے۔ جو آپس میں بھی اور مشرکوں سے بھی یہ سازش کرتے رہتے۔ کہ چلو صبح کے وقت تم بھی مسلمانوں کے ہم زبان ہو کر اسلام کا اقرار کر لیا کرو اور پھر اس کے بعد انکار کر دیا کرو۔ اس سے مسلمان تو یہ سمجھنے لگیں گے کہ آخر کوئی تو خرابی اس دین میں ایسی ہے کہ لوگ قبول کرتے ہیں۔ اور پھر بعد غور تامل اس کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ اس طرح بے دل اور بدگمان ہو کر خود بھی پھر جائیں۔

وقالت طایفۃ من اھل الکتاب	اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ
آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا	ایمان لے آؤ شروع دن میں اس کتاب پر جو
وجہ النھار واکفروا آخرہ لعلھم	مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے اور انکار کر بیٹھو
یرجعون (آل عمران ع ۸)	آخر دن میں عجب نہیں کہ وہ بھی پھر جائیں

ان کے رشک و حسد کے سلسلہ میں جو انھیں اسرائیلی ہونے کی حیثیت سے ایک اسمٰعیلی کے مرتبۂ نبوت پر تھا۔ انھیں کو مخاطب کر کے یوں ارشاد ہوا ہے۔

ان یوتیٰ احد مثل ما اوتیتم او یحاجوکم عند ربکم قل ان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ واسع علیم یختص برحمتہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم (آل عمران ع ۸)

یہ باتیں تم اس لئے کر رہے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی۔ یا وہ اور لوگ تم پر غالب آ جائیں تمھارے پروردگار کے سامنے (اسی کتاب سے حجت پکڑ کر) اور اللہ بڑی وسعت والا (جس کا فضل کسی ایک نسل کے ساتھ محدود نہیں) اور بڑا علم والا ہے (ہر قوم کی صلاحیتوں سے واقف) جس کو بھی چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

معاصر اہل کتاب کو یہ بھی صاف صاف جتلا دیا گیا، کہ یہ نئے رسول جو سلسلۂ انبیاء میں ایک بڑے لمبے وقفہ کے بعد بھیجے جا رہے ہیں۔ تو ان کی بعثت سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ معاصر اہل کتاب پر حجت قائم ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یا اہل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر فقد جاء کم بشیر و نذیر (المائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب تمھارے پاس یہ رسول آ پہنچے جو تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں۔ ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا۔ سو تمھارے پاس تو بشیر و نذیر آ چکا

اور پھر یہ اس لئے بھی آئے ہیں کہ تم جو اپنی طرف سے اپنی آسمانی کتاب میں کتربیونت کرتے رہتے ہو۔ وہ چوری سب پر ظاہر کر دیں (اور یہ کہ ان کی صداقت و حقانیت قطعی اور مسلم ہو)

یا اهل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبیّن لکم کثیراً مما کنتم تخفون من الکتاب و یعفو عن کثیر قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین
(المائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب ہمارے یہ رسول تمہارے پاس آ پہنچے ہیں۔ کتاب میں سے جو کچھ تم چھپاتے رہتے ہو اس کا بہت سا حصہ تم سے کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ اور بہت سے امور کو درگزر کر دیتے ہیں بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آ گئی اور ایک واضح کتاب۔

اور نصرانیوں سے تو قرآن مجید نے ایک بار رسول اللہؐ کو مباہلہ کا اذن بھی دے دیا ہے حقیقت مسیحؑ کے وضوح کے بعد ارشاد ہوا ہے۔

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین
(آل عمران ع ۷)

پھر جو کوئی آپ سے اس معاملہ میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کو علم صحیح پہنچ چکا ہو تو آپ کہہ دیجئے اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی۔ اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تیئں بھی پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔

تاریخ میں آتا ہے کہ یہ وفد نجران کے پادریوں کا تھا جو ۹ھ؁ ۶۳۰ء میں مدینہ میں حاضر خدمت ہوا تھا۔ ان سے ایک معاہدہ صلح ہو گیا اور مباہلہ کی ہمت مسیحیوں نے نہ کی۔

بہ حیثیت مجموعی۔ اس وقت کے نصرانیوں، خصوصاً ان کے روحانی پیشواؤں

کا رویہ اسلام اور شارع اسلامؐ سے متعلق بڑا ہمدردانہ اور دینی خشوع وخضوع لئے ہوئے تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ولتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذالک بان منھم قسیسین ورھباناً وانھم لا یستکبرون واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشاھدین (مائدہ ع ۱۱)

مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائیے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس سبب سے کہ ان میں (بہت سے) عالم اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں۔ اور اس سبب سے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔ اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے، تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ لیجئے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ سچے نصرانی بعد کو اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔ معاصر اہل کتاب کے ان رذائل کے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ جتنے تھے سب کے سب ایسے ہی تھے قرآن مجید ہی کی شہادت ہے کہ بعض ان میں سے اہل [illegible] اعتدال پر قائم۔

منھم امۃ مقتصدۃ (المائدہ ع ۹)

ان میں سے ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی بھی ہے۔

اور ایک اور جگہ ذکر یوں فرمایا گیا۔

لیسوا سواء من اھل الکتاب اُمۃ قائمۃ یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون (آل عمران ع ۱۲)

یہ سب یکساں نہیں، انھیں اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہو جو قائم ہے، یہ اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں۔ اور نماز بھی پڑھتے ہیں

اور خیر یہ لوگ تو آخر کار دین اسلام میں شامل ہی ہو گئے تھے۔ لیکن جو لوگ بدستور اپنے دین یہودیت پر تھے۔ ان کی بھی دو قسمیں دیانت و بد دیانتی کے لحاظ سے تھیں۔

ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک الا ما دمت علیہ قائما ذالک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون۔ (آل عمران ع ۸)

اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال بھی امانت رکھدو تو وہ بھی تجھے ادا کر دے۔ اور انھیں میں سے ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھدو۔ تو وہ بھی تم کو ادا نہ کریں تاوقتیکہ تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو اور یہ اس لئے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر غیر اہل کتاب کے باب میں کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور ایسے جانتے بھی ہیں

یہ تھا بے کم و کاست حال ان یہود اور کل اہل کتاب کا جن سے آنحضرت صلعم کو براہ راست سابقہ پڑا تھا۔ تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ ان میں کتنی کم صلاحیت قبول حق کی باقی رہ گئی تھی۔ اور ان کے انبوہ عظیم میں کتنے کم ایسے رہ گئے تھے جن سے کسی قدر توقع اصلاح کی قائم کی جا سکتی تھی۔

(ج)

منافقین

قرآن کی مکی سورتوں میں کثرت سے ذکر مشرکین کا آتا ہے۔ جو پیمبر اسلام کے پیام اور پیامبری کے کھلے ہوئے منکر تھے۔ اور مکہ میں قرآن کے براہ راست مخاطب تھے۔ مدنی سورتوں میں اس کے برعکس ذکر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ۔ اور ان سے زیادہ کثرت سے ایسے طبقہ کے لوگوں کا آتا ہے۔ جو رسولؐ و رسالت کا کھلا ہوا منکر نہ تھا بلکہ بہ ظاہر معتقد و مطیع تھا۔ لیکن زبانی اقرار پر قلبی انکار غالب تھا۔ اپنے آپ کو شامل گروہ مومنین میں کرانا چاہتا تھا۔ لیکن عقائد مشرکین یا یہود کے رکھتا تھا اور درپردہ سازشیں اسلام اور شارع اسلام کے خلاف کرتا رہتا تھا۔ قرآن کی اصطلاح میں یہ لوگ منافقین کہلاتے ہیں اور قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کے مخاطبین کے چار طبقوں میں سے ایک مستقل طبقہ ان لوگوں کا تھا۔

قرآن مجید نے اکثر تو انھیں براہ راست منافقین ہی کہہ کر یاد کیا ہے اور معلوم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ میں عورتیں بھی خاصی تعداد میں شامل تھیں اس لئے کہ قرآن مجید نے منافقات کا لفظ لاکر ان کی تصریح بھی کم سے کم چار مقامات پر تو کی ہی ہے،

اور کہیں کہیں بجائے اسم کے۔ اس طبقہ کے لئے صیغہ فعل سے خبر دی ہے۔ مثلاً الذین نافقوا اور کہیں اس طبقہ کے لئے الذین فی قلوبھم مرض لایا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کے اندر روگ ہے۔ اس طرح کل ملا کر اس طبقہ کا ذکر قرآن مجید کے مدنی حصہ میں خاصی کثرت سے ملے گا۔

ان کے ذکر کا آغاز کہنا چاہیئے کہ قرآن مجید کے آغاز سے ہو جاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کا دوسرا ہی رکوع ہے، کہ پہلے رکوع میں مومنوں اور منکروں دونوں کے تذکرے کے بعد معاً یہ بیان سامنے آجاتا ہے۔

ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین (البقرۃ ع ۲)	کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور روز جزا پر حالانکہ وہ ذرا بھی صاحب ایمان نہیں۔

ان کے عمق قلب میں ایمان کا ذرا بھی گزر نہ تھا۔ ان کا کاروبار تمام تر دیدہ و دانستہ دھوکے بازی اور فریب دہی کا تھا۔

یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔ (ایضاً)	یہ دھوکا دے رہے ہیں (اپنے خیال میں) اللہ کو اور ایمان والوں کو۔ حالانکہ کوئی بھی ان سے دھوکا نہیں کھا رہا ہے۔ سوا ان کے اپنے نفس کے۔ اور یہ اس کا بھی ادراک نہیں رکھتے۔

ان کے قلب کے اندر حسد و نفاق کا مرض تھا۔ اسلام کی ترقی دیکھ دیکھ انھیں اور جلن پیدا ہوتی تھی۔ اور اس مرض کی آگ اور بھڑکتی رہتی تھی۔ انھیں تکذیب رسولؐ کے علاوہ اس نفاق کی خصوصی سزا کی خبر دے دی گئی۔

فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضًا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون (ایضًا)

ان کے دلوں کے اندر بیماری ہے تو اللہ نے ان کے مرض کو اور ترقی دے دی۔ انھیں عذاب دردناک ہوتا ہے اپنے اس جھوٹ پر۔

ان کی اس منافقانہ زندگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر بگاڑ پھیلے اور جب انھیں ان کے اس رویہ پر فہمایش کی جاتی تھی۔ تو الٹے اس کی تردید و تکذیب کرتے اور اپنے کو پاک صاف ظاہر کرتے۔

واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون (ایضًا)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر بگاڑ مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں واہ۔ ہم اور بناؤ پیدا کرنے والے ہیں۔ خوب سن لو کہ مفسد یہی لوگ ہیں۔ اور یہ اس کی بھی خبر نہیں رکھتے

پھر آگے ان کے اس دو رُخے پن کا ذکر ہے کہ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں اور جب شیطان صفت معاندین اسلام کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں تو ان کی سی کہنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کو بنا رہے تھے۔ قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ بیچارے کسی کو کیا بنا ئیں گے۔ الٹے خود ہی بن رہے ہیں اور اپنے عصیان و طغیان کے دلدل میں اور پھنستے ہی جا رہے ہیں! اور ان کو جب عام مومنین کی طرح قبول اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ تو اکڑ کر اور اترا کر بولتے ہیں کہ کیا ہم بھی ان لوگوں کی طرح کچھ سادہ لوح ہیں! ـــــ اس کے بعد قرآن نے ان کی تہ بہ تہ گمراہیوں اور کج رائیوں کی دو دو تمثیلیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اور ان کے انجام بخیر ہونے کے بجائے ان کے انجام بہ شر ہونے کی خبر دی ہے۔

ان کی ایک عادت یہ تھی کہ بے تحاشہ کھلے کفر و انکار کے بک جاتے تھے اور جب گرفت ہوتی تو جھٹ مکر جاتے۔ حالانکہ اس کے بعد تو وہ ظاہری اسلام سے بھی نکل جاتے

یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا (التوبہ ع ۱۰)

یہ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی تھی۔ حالانکہ انھوں نے یقیناً کفر کی بات کہی تھی۔ اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور انھوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا۔ جو ان کے ہاتھ نہ لگی۔

اس آخری ٹکڑے وھموا بما لم ینالوا سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص مقصد ان لوگوں کے پیش نظر تھا۔ جو حاصل نہ ہو سکا۔ اور چونکہ آیت ایک غزوہ کے سیاق میں ہے۔ اس لئے عجب نہیں کہ ان آستین کے سانپوں کا مقصد لشکر اسلام کے اندر پھوٹ ڈالنا اور رنجشیں پیدا کرا دینا ہو۔ جیسا کہ روایات سے بھی تصدیق ہوتی ہے یہ مسلمانوں کے سامنے آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنے سے راضی کر لینا اور اپنے سے پرچا لینا چاہتے تھے۔ اور چونکہ مسلمانوں سے ملے جلے اور بظاہر انہیں کے گروہ میں شامل رہا کرتے۔ اس لئے اس کوشش میں کامیابی ان کے لئے کچھ دشوار بھی نہ تھی۔ حالانکہ اگر صداقت و دیانت ذرا بھی ہوتی تو کوشش اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کی کرتے رہتے۔ ارشاد ہوا ہے۔

یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ (التوبہ ع ۸)

یہ لوگ تم مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو پرچائیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول ہی اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

جھوٹی قسموں میں یہ لوگ منجھے ہوئے تھے۔ لیکن زمان وحی بھی برابر ان کی نقاب کشائی کرتی رہتی۔

یحلفون باللہ انھم لمنکم وما ھم منکم ولٰکنھم قوم یفرقون (التوبۃ ع ۷)	یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمھیں میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ لوگ بزدلے ہیں۔

صدق دل سے رسولؐ پر ایمان لانا، الگ رہا۔ یہ لوگ رسول کی بدگوئی کرتے رہتے اور طرح طرح آپؐ کی اذیت قلب کے باعث بنتے۔

ومنھم الذین یوذون النبی ویقولون ھو اذن۔ (التوبۃ ع ۸)	انھیں میں وہ لوگ بھی ہیں۔ جو نبی کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ کان کے کچے ہیں۔

یہ جھوٹ بولنے، تمسخر کرنے اور بات بنا لینے میں مشاق اور بیباک ہونے کے باوجود قرآن جو ان کی پردہ دری کرتا رہتا۔ اس سے ڈرتے رہتے۔ اور اس کا کچھ بھی علاج ان کے بس میں نہ تھا۔ آسمانی ریکارڈ میں شہادت موجود ہے کہ

یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم قل استھزءوا ان اللہ مخرج ما تحذرون (التوبۃ ع ۸)	یہ لوگ اس سے اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان کو ان منافقین کے مافی الضمیر پر مطلع کر دے آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو۔ بیشک اللہ اس چیز کو ظاہر کر کے رہیگا جس سے تم اندیشہ کرتے تھے۔

جب گرفت ہوتی تو بڑا حیلہ اپنے بچاؤ کا ان کے پاس یہ تھا کہ کہیں واقعی یہ عقائد و خیالات ہمارے تھوڑے ہی ہیں۔ یہ باتیں تو ہم محض خوش طبعی کے طور پر کہہ دیتے ہیں۔

ولئن سالتھم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب (ایضاً)	اور اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو ہم محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے ہیں

قرآن نے اس عجیب و غریب عذر گناہ کا جواب دیا۔ وہ بھی سننے کے قابل ہے۔

قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانھم کانوا مجرمین۔ (التوبہ ع ۸)	تو آپ ان سے کہئے کہ اچھا تو تمہارا یہ استہزا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تھا؟ اب کوئی عذر پیش مت کرو، تم تو اپنے کو مومن کہلانے کے بعد کفر کرنے لگے تم میں سے ایک گروہ کو ہم چھوڑ بھی دیں تو ایک گروہ کو ہم سزا دیں ہی گے۔ اس لئے کہ وہ لوگ مجرم تھے۔

ان کی منافقانہ کارروائیوں کا ذکر اکثر جنگ و غزوات کے سلسلہ میں آیا ہے۔ (جیسا کہ سورۃ التوبہ میں خصوصاً آیا ہے) اس سے اتنا تو بہرحال ظاہر ہوتا ہے کہ فوج میں بددلی پھیلانا، فوج کے اندر اختلافات و نفاق پیدا کرا دینا، عین وقت پر ہتھیار رکھ دینا، دشمن سے ساز باز کر لینا، اسے اپنے ہاں کے رازوں پر مطلع کر دینا اور اسی قبیل کے وہ جرائم جو فوجی قانون اور میدانِ جنگ کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے مرتکب تو یہ ضرور ہی ہوتے ہوں گے۔ لیکن قرآن مجید نے ان پر فردِ جرم جو لگائی

ہو۔ وہ اس سے زیادہ وسعت و عموم رکھتی ہے۔ اور مُتبادر یہ ہوتا ہے کہ ان کا پھیلا یا ہوا بگاڑ ساری ہی اجتماعی زندگی تک محیط ہو چکا تھا۔

المنافقون والمنافقات بعضهم من بعضٍ یامرون بالمنکر وینهون عن المعروف ویقبضون ایدیهم (التوبہ ع ۹)	یہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک سے ہیں تعلیم دیتے ہیں بُری باتوں کی اور باز رکھتے ہیں اچھی باتوں سے اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔

یقبضون ایدیهم سے صاف اشارہ ان کی ترویج بخل کی طرف نکلتا ہے۔ اور اس کے اوپر ذکر ان کی عام بداخلاقی و بدکرداری کا ہے نتیجہ جو نکلنا تھا۔ وہ بھی قرآن نے ظاہر کر دیا ہے۔

نسوا اللہ فنسیهم ان المنافقین هم الفاسقون (ایضاً)	یہ اللہ کو بھلا بیٹھے۔ تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ فاسق لوگ یہی منافق ہی تو ہیں۔

اس صورت حال کا ایک قدرتی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اس طبقہ کا ذکر بار بار کافروں اور مشرکوں پر عطف ہو کر آیا ہے۔ اور اُن کے انجام کا شریک ان کو بھی بتایا گیا ہو مثلاً

وَعَدَ اللہ المنافقین والمنافقات والکفار نار جهنم خالدین فیها هی حسبهم ولعنهم اللہ ولهم عذابٌ مقیم (ایضاً)	اللہ نے عہد کر رکھا ہے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہو اور اللہ ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے گا اور ان کا عذاب دائمی ہے۔

اسی طرح پیمبر کو ایک جگہ جہاں ایک ہدایت کی ہو وہاں بھی منافقوں کا عطف

کافروں پر رسیے۔

ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاھم (الاحزاب ع ۹)

اے پیمبر کافروں اور منافقوں کا کہا نہ کیجئے، اور ان کی طرف سے جو اذیت پہونچے اس کی التفات نہ کیجئے۔

ودع اذاھم کا تعلق جتنا کافروں سے ہے اتنا ہی منافقوں سے بھی ہے۔ گویا یہ صاف ہوگیا کہ جتنی اذیت آپؐ کو منافقوں یعنی اُن نام کے مسلمانوں کی طرف سے پہونچتی تھی۔ وہ اس سے کچھ کم نہ تھی۔ جو کھلے ہوئے منکروں کی طرف سے پہونچتا رہتی تھی۔

ایک جگہ ذکر ہو کہ اللہ کے ساتھ بدگمانی رکھنے کی سزا اِن کو اور اُن کو دونوں کو ملے گی۔ وہاں بھی منافقوں کو مشرکوں کے ساتھ عطف کرکے بیان کیا ہے۔

ویعذب المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات الظانین باللہ ظن السوء (الفتح ع ۱)

تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے ساتھ بڑے بڑے گمان رکھتے ہیں۔

اور تقریباً یہی الفاظ ایک جگہ اور دہرائے ہوئے ملتے ہیں۔

یعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات (الاحزاب ع ۹)

انجام یہ ہوا کہ اللہ عذاب دے گا منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔

ان منافقین کا اصلی جرم تو ان کا یہی نفاق تھا، یعنی دل میں کچھ زبان پر

یعنی دل سے خالص انکار اور زبان پر محض اقرار۔ قرآن مجید نے ان کی فرد جرم میں نمبر اول پر اس کو رکھا ہے۔

یقولون بالسنتھم مالیس فی قلوبھم (الفتح ع ۲)	اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں بالکل نہیں ہیں۔

لیکن اس بنیادی اور اعتقادی جرم کے علاوہ اُن کے عملی اور اجتماعی جرائم بھی کچھ کم قابل مواخذہ و تعزیر نہ تھے۔ مدینہ میں رہ کر عفیفت و پاکدامن مسلمان عورتوں کو تنگ کرنا، مسلمان باشندگان شہر کی بدخواہی اور دشمنی میں لگے رہنا۔ ان پر آج کل کی اصطلاح میں سرد جنگ جاری رکھنا۔ یعنی شہر میں دہشت انگیز افواہیں پھیلاتے رہنا۔ ان لوگوں کا مستقل شعار بن گیا تھا۔ قرآن مجید نے اس سیاق میں اُن کا ذکر کر کے ان کے لئے سزائیں بھی انتہائی اور عبرت انگیز تجویز کر دی ہیں۔

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا (الاحزاب ع ۸)	اگر نہ باز آئیں یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہو اور مدینہ میں افواہ اڑاتے رہتے ہیں۔ تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے پھر یہ لوگ شہر میں آپ کے پاس پھٹکنے بھی نہ پائیں گے مگر ہاں بہت ہی کم اور وہ بھی لعنت زدہ بس جہاں کہیں مل گئے انھیں پکڑا اور مار کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

ان کی اخلاقی پلیدی اور روحانی گندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا۔ کہ آخرت میں اُن کا انجام سب سے بدتر قرار پایا۔ کہ ایک تو قبول اسلام سے انکار اور مسلک کفر و شرک

بدرجہ اور اس پر اضافہ اس ریا و مکر کا کہ ہم تو مسلم و مطیع ہیں ارشاد ہوا ہے ۔

ان المنافقین فی الدرک	بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں
الاسفل من النار ولن تجد لھم	ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ
نصیرا (النساء ع ۲۱)	پائے گا ۔

اور ان کے جرائم کے پاداش میں ان کا انجام اُخروی یاد دلا کر دنیا میں بھی اُن کے ساتھ معاملہ سختی کا رکھا گیا ہے اور انھیں کافروں ہی کی صف میں رکھ کر پیمبر کو حکم ان کے خلاف بھی "جہاد" کا ہوا ہے ۔

یاایھا النبی جاھد الکفار	اے نبی! جہاد کافروں اور منافقوں سے کیجئے
والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم	اور ان پر سختی کیجئے ۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے
جھنم وبئس المصیر (التحریم ع ۲)	اور وہ بڑی بُری چیز ہے ۔

یہ آیت ابھی سورۂ تحریم کی تلاوت ہوئی ۔ اور بعینہٖ یہی آیت سورۃ التوبہ رکوع ۱۰ میں بھی وارد ہو چکی ہے ۔ البتہ یہ خیال رہے کہ یہاں لفظ جہاد اپنے لغوی معنی میں یعنی سخت کوشش کے مرادف ہو کر آیا ہے ۔ جہاد فقہی کے معنی میں نہیں ۔ جو بہت بعد کی اصطلاح ہے ۔ اور قرآن مجید میں اس کے لئے لفظ قتال ہے ۔ اور لفظ جہاد میں حضور صلعم کے لئے پوری گنجایش باقی رہی کہ آپ اپنے اجتہاد کی رو سے جیسا مناسب سمجھیں جہادی معاملہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ ان کے اور اُن کے حسب حال رکھیں ۔

مکہ میں کھلا ہوا کفر و شرک تھا ۔ اس مرض نفاق کا مقابلہ تو آنحضرت صلعم کو مدینہ ہی میں آ کر کرنا پڑا ۔ اکثر منافق یہیں آ کر ملے ۔ اور اُن میں وہ چالاک اور سخن ساز

طبقہ بھی تھا۔ جو حضور کی نظر سے حضور کے کمال فراست و دانائی کے باوجود اپنے کو مخفی رکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ قرآن مجید نے صراحت کر دی ہے۔

ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم (التوبہ ع ۱۳)

اور مدینہ والوں میں سے نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے ہم اُن کو جانتے ہیں۔

اور اس کے معاً بعد اُن کے انجام دنیوی و اُخروی سے بھی خبر دے دی گئی

سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم (ایضاً)

ہم اُن کو دو دو بار سزائیں دیں گے۔ اور انہیں بھیجیں گے عذاب عظیم کی طرف۔

یہ منافقین شہر مدینہ کے علاوہ دیہات و حوالی مدینہ میں بھی آباد تھے۔

وممن حولکم من الاعراب منافقون (ایضاً)

اور یہ جو تمہارے گرد و پیش دیہاتی ہیں ان میں بھی کچھ منافق ہیں

اور دیہاتیوں کے مزاج میں یوں بھی سختی زیادہ ہوتی ہے۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ دیہاتی کفر و نفاق دونوں میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

الاعراب اشد کفراً ونفاقاً (التوبہ ع ۱۲)

یہ دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔

غریب و تہی دست مسلمانوں پر یہ تنگ دل مسخرے منافقین برابر طنز و تمسخر کرتے رہتے تھے۔ ان مفلسوں کی طرف سے جواب خود حق تعالیٰ نے دیا۔ ارشاد ہوتا ہے

فیسخرون منھم سخر اللہ منھم ولھم عذاب الیم

یہ ان (مفلس مسلمانوں) سے تمسخر کرتے ہیں اللہ ان کے تمسخر ہی کو اُن پر الٹ دے گا۔ اور ان کے

(التوبہ ع ۱۰) لیے عذاب دردناک رکھا ہوا ہے۔

ان میں کے بعض بدبخت ایسے بھی تھے۔ جن پر یہ نفاق کی لعنت بطور ان کی سزا یا پاداشِ عمل کے مسلّط کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے ان کی نفسیت پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

ومنهم من عاهد الله لئن آتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين فلما آتاهم من فضله بخلوا به وتولوا وهم معرضون فاعقبهم نفاقا في قلوبهم الى يوم يلقونه بما اخلفوا الله ما وعدوه وبما كانوا يكذبون۔

(التوبہ ع ۱۰)

ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جنھوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو عطا کر دیا تو ہم خوب خیر خیرات کریں گے۔ اور خوب نیک نیک کام کریں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کر دیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے، اور وہ تھے ہی بات سے پھر جانے والے سو اللہ نے اس کی سزا میں اُن کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ جو اللہ کے یہاں جانے کے دن تک ان میں رکھے گا۔ اس لئے کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی۔ اور اس لئے کہ جھوٹ بولتے رہے تھے

انھیں بڑا ناز اپنی چالاکی اور رازداری پر تھا۔ سمجھتے تھے کہ اُن کے راز چھپے کے چھپے رہ جائیں گے۔ قرآن مجید نے بار بار اُن کے اس زعم باطل کو توڑا ہے اور انھیں یاد دلایا ہے کہ ان کا سابقہ تو خدائے دانندۂ اسرار و خفایا سے ہے۔

الم يعلموا ان الله يعلم سرهم

کیا انھیں اس کی خبر نہیں ہے کہ اللہ کو اُن کے

ونجواهم وان اللہ علام الغیوب (ایضاً) — دل کا راز اور سرگوشی ان کی سب معلوم ہو اور اللہ غیب کی ساری باتوں کو جانتا ہے۔

ان کی ریاکاری ومنافقت کا یہ کمال تھا کہ انھوں نے اپنی ایک مسجد کھڑی کرلی تھی۔ بظاہر تمام تر عبادت وذکر الہٰی کے لئے۔ لیکن دل میں مقصد یہ کہ اس میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی جائیں۔ اور اسلام وامت اسلامی کی بربادی کے منصوبے تیار کیے جائیں۔ قرآن مجید نے اس کا بھی پول کھول دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف حکم دیا کہ آپ ہرگز اس کی طرف رخ نہ کریں۔

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المومنین وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ واللہ یشھد انھم لکذبون لا تقم فیہ ابداً (التوبہ ع ۱۳)

(اور) وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے مسجد اس غرض سے بنا کھڑی کی ہے کہ (اس کے ذریعہ سے) ضرر پہونچائیں۔ اور کفر پھیلائیں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ اور اس شخص کو اس میں پناہ دیں جو اس کے قبل بھی اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہو۔ اور یہ قسمیں کھا کھا کہیں گے کہ ہم تو بجز بھلائی اور کوئی نیت ہی نہیں رکھتے اللہ گواہ ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔

اور یہ تو ان کے لیے ایک معمولی سی بات تھی۔ کہ ایک بار جب ایک جہاد گرمیوں کے موسم میں پڑا تو یہ لوگ لگے مسلمانوں کو مشورہ دینے۔ کہ اس سخت موسم میں کہاں نکلو گے —— گویا جہاد بھی ان کے خیال میں کوئی سیر وتفریح کی چیز پکنک۔

کے قسم کی تھی۔ قرآن نے اُن کا قول نقل کر کے جواب بھی کتنا سخت دیا ہے۔

قالوا لا تنفروا فی الحر	کہنے لگے کہ تم لوگ گرمی میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیجئے
قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا	کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں بڑھ کر گرم ہے۔
یفقھون فلیضحکوا قلیلا	کاش یہ اتنا سمجھتے! یہ لوگ تھوڑے دن ہنس
ولیبکوا کثیرا جزاء بما کانوا	لیں۔ اور بہت دن روتے رہیں اپنے کرتوتوں
یکسبون (التوبہ ع ۱۱)	کے بدلے۔

پیغمبر کی سفارش اور دعائے مغفرت جس درجہ موثر اور زوردار ہوتی ہے۔ ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ اور قرآن مجید خود اس کی اہمیت بار بار جتا چکا ہے۔ لیکن منافقین کے قلب چونکہ شمۂ ایمان بھی نہیں رکھتے۔ اس لئے قرآن مجید نے براہ راست حضور کو مخاطب کر کے تصریح کر دی، کہ ایسوں کے حق میں آپ تک کی دعائے مغفرت کام نہ دیگی خواہ آپ کتنی ہی کرتے رہیں۔

استغفر لھم او لا تستغفر لھم	آپ اُن کے حق میں استغفار کریں۔ یا اُن کے
ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن	حق میں نہ کریں۔ آپ اُن کے حق میں استغفار اگر
یغفر اللہ لھم	ستر بار بھی کریں۔ تو بھی اللہ اُن کی مغفرت نہ
(التوبہ ع ۱۰)	کرے گا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے اپنی نہایت رحمدلی کی بناء پر اس آیت کے باوجود ایک رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور لفظ ستر کے عدد سے فائدہ اُٹھا کر یہ کہا کہ میں استغفار ستر سے زیادہ بار کر دوں گا۔ (حالانکہ آپ جیسے فصیح اللسان سے بڑھ کر کون اس نکتہ سے واقف ہو سکتا تھا، کہ محاورۂ زبان میں ستر سے مراد کثرت

استغفار ہے نہ کہ کوئی معین عدد) اس پر یہ حکم قطعی طور پر نازل ہو گیا کہ ایسوں کی نہ کبھی نماز پڑھئے اور نہ اُن کی قبر پر کھڑے ہی ہو جئے۔

لا تصل علیٰ احد منھم مات | اور اُن میں کوئی مر جائے تو اس پر کبھی نماز نہ
ابداً ولا تقم علیٰ قبرہ (التوبہ ع ۱۱) | پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو جیئے۔

بڑی چڑھ ان لوگوں کو آیات احکام سے رہتی۔ اور جہاد و قتال کے احکام سن کر تو اُن کی جان ہی سوکھ جاتی۔ قرآن مجید نے اس منظر کی یوں عکس کشی کی ہے۔

فاذا انزلت سورۃ محکمۃ | جب کوئی سورت صاف صاف نازل ہوتی ہے
و ذکر فیھا القتال رأیت الذین | اور اس میں ذکر جہاد کا بھی ہوتا ہے تو جن لوگوں
فی قلوبھم مرض ینظرون الیک | کے دلوں میں بیماری ہے۔ آپ اُن کو دیکھتے ہیں کہ
نظر المغشی علیہ من الموت | وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ جیسے کسی
فاولیٰ لھم (محمد ع ۳) | پر بیہوشی طاری ہو گئی ہو سو عنقریب ان کی کمبختی آنے والی ہے۔

بڑے جز بز یہ اس وقت ہوتے تھے۔ جب اُن کے اسرار فاش ہو جاتے تھے اور قرآن مجید خود یا رسولؐ اللہ ہی کی زبان سے انھیں اس قسم کی آیتیں سنوا دیا تھا۔

واللہ یعلم اسرارھم (ایضاً) | اللہ (خوب) جانتا ہے اُن کی خفیہ باتوں کو۔

اور انتہائی تکلیف اور بدحواسی ان پر اُس وقت طاری ہوتی۔ جب رسولؐ ہی کی زبان سے انھیں اس قسم کے تنبیہی پروانے وصول ہوتے۔

ام حسب الذین فی قلوبھم | جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ خیال
مرض ان لن یخرج اللہ اضغانھم | کرتے ہیں کہ اللہ کبھی اُن کی دلی عداوتوں کو ظاہر

ولو نشاء لاریناکهم فلعرفتهم بسیماهم ولتعرفنهم فی لحن القول۔ (محمد ع ۴)

نہ کرے گا اور اگر ہماری مشیت یہ ہوتی تو ہم آپ کو ان کا پورا پتہ بھی بتا دیتے اور آپ اُن کو ان کے چلئے سے پہچان لیتے اور آپ اُن کو طرزِ کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔

اپنی مادی دنیوی زندگی میں یہ کسی سے دبے پچکے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ ان کی معاشرت معلوم ہوتا ہے۔ خاصی بلند و ممتاز تھی۔ اور ان کے ظاہر میں ایک طرح کی کشش یا دلکشی بھی تھی۔ قرآن مجید کی شہادت ہے۔

واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم (المنافقون ع ۱)

آپ ان کو دیکھیں تو اُن کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں۔ اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی سننے لگیں۔

ان کی ظاہری خوشحالی اور خوش اقبالی بھی خاصی دھوکے میں ڈالنے والی تھی رسول اللہؐ کو خاص طور پر اس خطرے سے آگاہی دے دی گئی۔ اور حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا گیا۔

ولا تعجبک اموالھم واولادھم انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون (التوبہ ع ۱۱)

ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ اُن چیزوں کے واسطے سے انھیں دنیا میں بھی مبتلائے عذاب رکھے۔ اور ان کا دم بھی ایسی حالت میں نکلے کہ یہ کافر ہوں۔

ایک پوری سورۃ انہیں کے نام پر المنافقون پارہ ۲۸ میں موجود ہے۔ جس کی

ایک آیت چند منٹ قبل پیش ہو چکی ہے لیکن درحقیقت اس سورۃ میں پورا عکس اس طبقہ کی زندگی کا آگیا ہے۔ یہ لوگ رسول اللہ کے سامنے آکر اپنی اسلامیت بگھارتے اور اپنے ایمان و اطاعت کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ جو تمامتر باطل ہوتا۔ ارشاد ہوا ہے

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقون لكاذبون۔ (المنافقون ع ۱)

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ بیشک آپ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بالکل جھوٹے ہیں۔ ان کا حاصل عمران کی ساری کمائی ان کی جھوٹی قسمیں ہیں۔

اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء ما كانوا يعملون (ایضاً)

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے تو یہ لوگ اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں۔ بیشک بہت ہی برے ہیں ان کے اعمال جو یہ کر رہے ہیں۔

اسی سے ملتی ہوئی آیت سورۂ مجادلہ میں بھی آچکی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله فلهم عذاب مهين (مجادلہ ع ۳)

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں تو ان کے لئے عذاب ہے ذلت والا۔

اس آیت سے متّصلاً پہلے اس طبقہ کا تعارف اس کی یہود دوستی کی حیثیت سے کرا کے اس کا انجام یوں پیش کیا ہے:۔

الم تر الى الذين تولوا قوماً

کیا آپ نے ایسے لوگوں پر نظر نہیں کی یعنی انہیں منافقین

غضب الله عليهم ما هم منكم ولا منهم ويحلفون على الكذب وهم يعلمون. اعد الله لهم عذابا شديدا انهم ساء ما كانوا يعملون (المجادلہ ع ۲)

جو ایسی قوم سے دوستی کئے ہوئے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہے (یعنی قوم یہود سے) ایسے لوگ نہ تمہیں میں ہیں نہ انہیں میں ہیں جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور اسے جانتے بھی ہوتے ہیں اللہ نے ان کے لئے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے۔ بیشک بہت ہی برے ہیں جو (اعمال) وہ کیا کرتے ہیں۔

ان کی ظاہری خوشحالی اور خوش اقبالی سے دھوکا کھانے پر ایک بار پھر تنبیہ کر دی ہے۔

لن تغنى عنهم اموالهم ولا اولادهم من الله شيئا اولئك اصحاب النار هم فيها خالدون (ایضاً)

ان کے مال اور ان کی اولاد انہیں اللہ سے ذرا نہ بچا سکیں گے یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اب پھر اسی سورت منافقون کی طرف آ جائیے جس کے بیان کا سلسلہ چل رہا تھا۔ انھوں نے ایمان کا اظہار کیا۔ مگر معاً کفر کو اپنے دل میں جگہ دے لی۔ اس کا وبال یہ پڑا کہ ان کے دلوں پر قبول حق کی طرف سے مہر سی لگ گئی اور سمجھ بوجھ کا گویا مادہ ہی اُن سے چھن گیا۔

ذالك بانهم آمنوا ثم كفروا فطبع على قلوبهم فهم لا يفقهون (المنافقون ع ۱)

یہ سب اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ تو یہ سمجھتے بوجھتے نہیں۔

ان کے دل چور ہیں اور یہ طبیعت کے بزدلے ہیں۔ اس لئے کہیں سے

کوئی آواز بلند ہوئی۔ اور یہ اُسے اپنے ہی اوپر سمجھے۔

یحسبون کل صیحۃ علیھم (ایضاً) ہر غل پکار کو اپنے ہی اوپر خیال کرتے ہیں۔

انابت وخشیت کا گذر ان کے قلب میں کہاں۔ زعم دینداری میں مبتلا یہ رسولؐ کی خدمت میں اپنے استغفار کے لئے حاضر ہونے کے بجائے اور اوپر سے اکڑے اکڑے پھرتے ہیں۔

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمھارے لئے
رسول اللہ لووا رءُ وسھم ورایتھم	رسول اللہ استغفار کریں، تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں
یصدون وھم مستکبرون	اور آپ اُن کو دیکھیں گے کہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی
(ایضاً)	کرتے ہیں۔

یہ بھی صراحتہً بتا دیا گیا۔ جیسا کہ سورہ توبہ کی ایک آیت کے ذیل میں پہلے بھی گذر چکا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم جیسے زبردست مستغفر کی دعائے مغفرت بھی ایسے شامت زدوں کے حق میں قبول نہ ہوگی۔

سواءٌ علیھم استغفرت لھم	ان کے حق میں سب برابر ہے۔ خواہ آپ ان کے لئے
ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ	استغفار کریں، یا آپ استغفار نہ کریں۔ اللہ ان کی
لھم (ایضاً)	ہرگز مغفرت نہ کرے گا۔

عملی حالت ان کی یہ تھی کہ خود صاحب ثروت مسلمانوں کو ترغیب دیتے رہتے تھے۔ کہ رسول کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو۔ مالی امداد کی طرف سے مایوس ہوکر یہ بھیڑ خود ہی چھنٹ جائے گی۔ گویا رسولؐ دین حق کی تبلیغ کے لئے بندوں کی امداد کے تمام تر محتاج تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اس حمق کی پردہ دریوں کی ہے۔

هم الذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللّٰہ حتیٰ ینفضوا وللّٰہ خزائن السماوات والارض ولکن المنافقین لا یفقھون (ایضًا)

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا کے گرد و پیش ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے حالانکہ اللہ ہی کے ہیں سارے خزانے آسمانوں اور زمینوں کے البتہ منافقین اسے سمجھتے نہیں۔

اور پھر منافقین کے جو یہ دم داعیے تھے کہ میدان جنگ سے واپسی کے بعد مسلمانوں کو تہس نہس کر ڈالیں گے۔ ان کی اس بدفہمی کا پردہ بھی قرآن نے یوں چاک کیا ہے۔

یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل۔ وللّٰہ العزۃ ولرسولہٖ ولکن المنافقین لا یعلمون (ایضًا)

یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ واپس گئے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔ حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنین کی البتہ منافقین اسے جانتے بوجھتے نہیں۔

سب سے بڑھ کر جامع و اکمل اور ساتھ ہی عبرت انگیز مرقع اس طبقہ کا سورۃ الحدید میں نظر آتا ہے گو ذرا طویل ہے۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی زندگی میں آپ کے اس حاضر طبقہ کی ذہنیت کو پوری طرح سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے سیاق یوم حشر کا ہے۔ اب آگے سنئے:۔

یوم یقول المنافقون والمنافقات للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس

جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے (جس وقت وہ جنت کو جا رہے ہوں گے

من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نوراً۔ فضرب بینھم بسور لہ باب باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ من قبلہ العذاب ینادونھم الم نکن معکم قالوا بلیٰ ولٰکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم وغرتکم الامانی حتیٰ جاء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور فالیوم لا یوخذ منکم فدیۃ ولا من الذین کفروا ماوٰکم النار ھی مولٰکم وبئس المصیر

اور ان کے ارد گرد نور ہوگا) ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں انھیں جواب ملے گا کہ لوٹ جاؤ اپنے پیچھے کی طرف پھر روشنی تلاش کرو اس کے بعد ان کے اور انکے درمیان ایک دیوار قائم کھڑی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کے اندرونی طرف رحمت ہوگی اور بیرونی طرف عذاب بنا منافقین (اب) مسلمانوں کو پکاریں گے کیا ہم تمھارے ساتھ (دنیا میں) نہ تھے وہ (جواب میں) کہیں گے کہ تھے تو ٹھیک، مگر تم نے خود ہی اپنے کو گمراہی میں پھنسا لیا تھا۔ اور تم منتظر رہتے تھے، اور تمھاری بیہودہ آرزو نے تمھیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم آ پہونچا۔ اور تم کو اس بڑے فریبئے نے اللہ کے باب میں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ غرض آج تم سے کوئی فدیہ نہ قبول کیا جائیگا۔ اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہو وہی تمھاری رفیق ہو اور کیا ہی برا ٹھکانا ہو

انکشاف حقائق کے وقت کی یہ صحیح اور من وعن نقاشی کر کے دنیا میں بھی اُن کی صحیح حالت کا چربا پیش کیا۔ تو یہ تھا آپ کے معاصرین کا وہ دوسرا طبقہ جس سے پیمبر اسلام کو سابقہ علاوہ منکرین ومشرکین، دہریئین، تنویئین، یہود اور نصرانیوں کے اپنی زندگی میں پڑا تھا

(د)

مومنین

چوتھا طبقہ آپ کے اُن معاصرین مخاطبین کا ہے۔ جنھوں نے آپ کے دعوئے نبوت کی تصدیق کی، اور آپ کی زبان سے آپ کا پیام سن، کلام الٰہی پر ایمان لائے۔ اصطلاح میں انھیں صحابۂ رسولؐ یا اصحاب رسولؐ کہتے ہیں۔ یہ اپنے اعمال و اطوار، اخلاق و عادات میں، اپنے مرشد اعظم ہی کے ڈھرے پر چلے اور بہ حیثیت مجموعی ایسے نقل مطابق اصل ثابت ہوئے کہ خود دوسروں کے لئے حجت و معیار بن گئے۔ اکبر الہ آبادی نے بھی تاریخی حقیقت اپنی شاعرانہ زبان میں یوں ادا کی ہے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا!

لیکن اول تو سب ایک درجہ و مرتبہ کے نہ تھے۔ اور نہ ہو سکتے تھے۔ فرق مراتب لازمۂ بشریت ہے پھر جن کو جو مرتبے حاصل ہوئے۔ وہ رفتہ رفتہ صحبت ہی کی برکت سے حاصل ہوئے۔ اول دن سے کوئی بھی اُن میں کامل نہ تھا، اور پھر بڑی بات یہ کہ عصمت کاملہ جس کا نام ہے۔ وہ تو صرف انبیاء کرام کا حصۂ خصوصی ہے۔

خدائی معیار سے جب گرفتیں حضرات انبیاء تک پر ہوتی رہیں اور عفو ہی اور عصیٰ تک کے فعل بے تکلف اُن کے لئے قرآن مجید میں آتے رہے۔ تو یہ غیر معصومین کی ساری کی ساری جماعت کب روک ٹوک کے دائرہ سے باہر رہ سکتی تھی۔ قرآن ان مخلصین پر گرفتیں جابجا کرتا گیا ہے۔ کہیں اشارۃً اور کہیں صراحتہً۔

بعض نو آموزان میں ایسے تھے۔ جو بارگاہ نبوت کے ادب آداب سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ اور اپنی طبعی سادہ دلی سے کبھی کبھی حضورؐ کے تکدر و انقباض کا باعث ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب کاشانۂ مبارک پر حاضر ہوتے تو بجائے اسکے کہ حضورؐ کے برآمد ہونے کا انتظار کریں دروازہ سے ہی بے تحاشا آپؐ کو چیخ کر پکارنا شروع کر دیتے تھے۔ قرآن مجید میں یہ ذکر مہذب و شائستہ سلاست کے ساتھ یوں کیا ہے:۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون	جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے رہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں
(الحجرات ع ۱)	لیتے۔

لفظ حجرات بہ صیغۂ جمع خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ بیان زمانۂ قیام مدینہ کا ہو رہا ہے۔ بعض ایسے بھی تھے (غالباً اہل بادیہ ہوں گے) جو مجلس مبارک میں آ کر چیخ چیخ کر بولتے اور ذرا احترام ملحوظ نہ رکھتے۔ انھیں ادب سکھایا گیا کہ دھیمی آواز سے بولیں۔ اور قرآن مجید نے ایسی ہدایات کو بالکل ہی نذر اجمال نہیں کیا ہے۔ بلکہ خاصے بسط و تفصیل سے کام لیا ہے۔ کہ آئندہ نسلوں کو بھی سمجھنے میں کوئی الجھاؤ نہ باقی رہ جائے۔

یاایھا الذین آمنوا لاترفعوا	اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیمبر کی آواز سے
اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا	بلند نہ کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولو، جیسا
لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض	آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولتے ہو کہیں
ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون (ایضاً)	تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔ اور تمہیں خبر تک نہ ہو

ظاہر ہے کہ یہ ہدایت خاص مومنین کو کی جا رہی ہے، جن کے ذہن میں رسول اللہ کی ادنیٰ بے حرمتی کا شائبہ تک نہیں آ سکتا تھا۔ اب اس نفی کے ساتھ اثبات کا، سلبیت کے ساتھ ایجاب کا۔ اور نہی کے ساتھ امر کا پہلو بھی ملاحظہ ہو۔

ان الذین یغضون اصواتھم	بیشک جو لوگ پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں
عند رسول اللہ اولئک الذین	کو رسول اللہ کے سامنے۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جن
امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ	کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر دیا ہے
لھم مغفرۃ واجر عظیم (ایضاً)	ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔

یہ تو آداب مجلسی و معاشری پر توجہ دلانی کی ایک مثال ہوئی۔ اسی طرح کوتاہیاں کبھی عبادات کے دائرہ میں ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک بار حضور خطبہ جمعہ دے رہے تھے، کہ مسجد کے باہر سے کسی تجارتی قافلہ یا تماشہ کے گزرنے کی آئی اور سامعین خطبہ چھوڑ ادھر لپک گئے۔ اس پر بھی صراحت کے ساتھ ٹوکا گیا۔

واذا راوا تجارۃ اولھونِ	اور یہ جب تجارت یا تماشہ دیکھ پاتے ہیں تو
انفضوا الیھا وترکوک قائماً	ادھر لپک جاتے ہیں اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا
قل ماعند اللہ خیر من اللھو ومن	ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے ہاں
التجارۃ (الجمعۃ ع ۱)	جو (درجہ) ہے وہ تماشہ اور تجارت سے کہیں بڑھ کر ہے

کوئی کوئی ان میں سے ایسے بھی نکلے جو جہاد کے موقع پر پیچھے رہ گئے، لیکن اپنی وقتی غفلت کا کفارہ انھوں نے جان و دل سے ادا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو آخر رضامند بھی کر لیا۔ قرآن مجید نے ایسوں کی تعداد کل تین بتائی ہے اور اُن کا تذکرہ خود پیمبر اور اصحاب مہاجرین و انصار کے مدحیہ تذکرہ پر عطف کر کے ان الفاظ میں کیا ہے۔

.... وعلی الثلثۃ	اور اللہ نے ان تینوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی
الذین خلفوا حتی اذا ضاقت	جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ زمین
علیھم الارض بما رحبت	جب باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور
وضاقت علیھم انفسھم وظنوا	وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انھوں نے سمجھ
ان لا ملجا من اللہ الا الیہ ثم	لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اللہ ہی کے ہاں
تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ	کے تو اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی
ھو التواب الرحیم (التوبہ ع ۱۴)	رجوع رہا کریں، بےشک اللہ بڑا توجہ فرمانے والا رحیم ہے

کچھ ایسے بھی نکلے جن سے اسی سلسلہ جہاد و قتال میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور ان کے اعمال کی حالت میں برائی ملی جلی پائی گئی، لیکن آخر کار انھیں بھی پروانہ معافی مل جانے کی خوشخبری سنا دی گئی۔

واخرون اعترفوا بذنوبھم	کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطاؤں کے معترف ہو گئے
خلطوا عملا صالحا واخر سیئا	انھوں نے ملے جلے عمل کئے تھے۔ کچھ بھلے کچھ برے
عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ	اللہ عجب نہیں کہ ان پر رحمت سے توجہ فرمائے بےشک
غفور رحیم (ایضاً)	اللہ بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔

لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے۔ اس قسم کی خال خال بشری کمزوریوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد غیر معصوم مخلص رفیقوں کی یہ جماعت تمام تر پاکبازوں راست کرداروں اور قدوسیوں ہی کی ایک جماعت تھی۔ ان کی ایمان دوستی کفر دشمنی فسق بیزاری اور پاکیزہ قلبی کا اعلان قرآن مجید انہیں کو مخاطب کر کے یوں کرتا ہے۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان	... لیکن اللہ نے تمھیں ایمان کی محبت دے دی
وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق	اور اس کو تمھارے دلوں میں رچا دیا۔ اور کفر اور
والعصیان اولئک ھم الراشدون	فسق اور معصیت سے تمھیں بیزار کر دیا۔ یہی لوگ
فضلا من اللہ ونعمۃ (الحجرات ع ۱)	راہ یاب ہیں اللہ کے فضل و انعام سے۔

کسی جماعت کی پختہ ایمانی رد کفر ہی نہیں، فسق و معصیت سے بھی دوری اور پاکی کی شہادت اس سے بڑھ کر اور اس سے واضح تر لفظوں میں اور کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن ٹھہرئے ایک ربانی صداقت نامہ اس جماعت کے انہماک عبادات اور طلب رضائے الٰہی کا اور بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

والذین معہ اشداء علی الکفار	اور جو لوگ (پیغمبر) کے ہمراہ ہیں وہ سخت ہیں
رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا	کافروں کے معاملہ میں اور نرم دل ہیں آپس میں
یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا	(اے مخاطب) تو انھیں دیکھے گا رکوع کرتے ہوئے
سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود	سجدہ کرتے ہوئے۔ اللہ کی فضل و رضا کی تلاش
(الفتح - ع ۴)	میں رہتے ہیں۔ ان کے آثار ان کے چہروں
	پر تاثیر سجدہ سے نمایاں ہیں۔

ایک جگہ اور جہاں ذکر جنتیوں کا ہے۔ وہاں الفاظ گو عام ہیں۔ اور ہر دور کے

اہل ایمان ان کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں. لیکن اشارۂ خصوصی اسی جماعت صحابہ کی جانب ہے۔

انھم کانوا قبل ذالک محسنین	یہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیوی زندگی میں)
کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون	بڑے نیک کار تھے. رات کو بہت کم سوتے تھے
وبالاسحارھم یستغفرون وفی	اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے. اور ان
اموالھم حق للسائل والمحروم	کے مال میں سوالی اور غیر سوالی (سب) کا
(الذاریات ع ۱)	حق تھا۔

اُن کی عبادتی شب بیداریوں اور استغفاری سحر خیزیوں کی شہادت ایک اور سلسلہ میں بھی ملاحظہ ہو۔

ان ربک یعلم انک تقوم	آپ کا پروردگار واقف ہے (اے پیغمبر) کہ
ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہٗ وثلثہٗ	آپ رات میں کھڑے رہتے ہیں قریب دو تہائی
وطائفۃ من الذین معک	یا آدھی رات یا تہائی رات کے اور آپ کے
(المزمل ع ۲)	ساتھیوں کا ایک گروہ بھی۔

رفاقت معیت اور صحابیت کے معنی بھی یہی تھے کہ عبادتوں ریاضتوں اور مشقتوں میں بھی اپنے آقا یا صاحب کے نقش قدم پر چلا جائے۔

اور ایک نقشہ بھی انھیں پاکبازوں کی روزانہ زندگی کا قرآن مجید نے پیش کیا ہے (گو الفاظ یہاں عام و وسیع ہیں) جس میں اُن کے معمولات، اخلاق عبادات، معاملات، سب کے خط وخال صاف نظر آ سکتے ہیں. ملاحظہ ہو۔

وعباد الرحمان الذین یمشون	رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر سکنت سے

علی الارض ھوناً واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلماً۔ والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاماً۔ والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم۔ ان عذابھا کان غراماً انھا ساءت مستقراً ومقاماً والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواماً۔ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھاً آخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک یلق اثاماً

(الفرقان۔ ع ۶)

ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب اُن سے جاہل لوگ بات کرتے ہیں تو دفع شر کی بات کہدیتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں اور جو دعائیں مانگتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھ بیشک جہنم بُرا ٹھکانا اور بُرا مقام ہے اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ بخل سے اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اور جس جان کو اللہ نے قابل حرمت رکھا ہے۔ اُسے ہلاک نہیں کرتے۔ ہاں مگر حق پر اور زنا نہیں کرتے۔ اور جو شخص ایسے کام کرے گا۔ اسے سابقہ سزا سے پڑیگا

صحابہ کے معتبر حالات میں کتابیں اُردو میں بھی حدیث وسیر سے ماخوذ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ اور عربی میں تو خیر موجود ہی ہیں۔ ان کی دی ہوئی تفصیلات کو سامنے رکھ کر دیکھئے کہ قرآن مجید نے کس اعجاز کے ساتھ اُن کی تصویر کشی کر دی ہے۔ ابھی قرآنی بیان ابھی ختم نہیں ہوا۔ اسی رکوع کی چند اور سطریں بھی قابل مطالعہ ہیں۔

والذین لا یشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراماً۔ والذین

اور یہ لوگ ناجائز مجمعوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گذرتے

اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صمّا وعمیانا. والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما. اولٰئک یجزون الغرفۃ بما صبروا ویلقون فیھا تحیۃ وسلاما. خالدین فیھا حسنت مستقراً ومقاما.
(ایضاً)

بھی ہیں تو سلامت روی کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کے احکام کے ذریعہ سے تو یہ ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور یہ لوگ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے ایسوں کو بالاخانے عطا ہوں گے بہ سبب اُن کے ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس میں دعا اور سلام ملے گا اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔

قدوسیوں کی جماعت کا اطلاق اگر اس جماعت پر بھی نہ ہوگا۔ تو اور کس پر ہوگا؟ اللہ کے ہاں اس جماعت کے شرف وعظمت کا اندازہ اس سے فرمائیے۔ کہ جس طرح حضور انورؐ کی آمد وظہور کی پیش خبریاں اگلی آسمانی کتابوں میں درج تھیں اسی طرح اس جماعت کا نقشہ بھی توریت اور انجیل جیسے گرامی صحیفوں میں درج رہ چکا ہے۔

سورۃ الفتح کی ایک آیت ابھی کچھ ہی دیر ہوئی آپ کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔ والذین معہ اشداءُ علی الکفار۔ الخ اس سے متصل اور اس کے مابعد قرآن مجید ہی میں ہے۔

ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ ۔ اُن کے اوصاف توریت میں درج ہیں

اعجاز قرآنی کا کرشمہ ملاحظہ ہو، کہ بے شمار تحریفات و تصرفات کے بعد بھی توریت موجودہ میں یہ الفاظ آج تک کھلے چلے آرہے ہیں۔

"فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا"

(استثناء۔ ۳۳:۲)

اور یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ فاران مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے اور پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فتح مکہ کے بعد جتنے صحابیوں یا "قدوسیوں" کا ساتھ ہوا تھا۔ ان کی تعداد بھی دس ہی ہزار تھی۔

توریت میں اس کے بعد ہے۔

"اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت اُن کے لئے تھی"

قرآن مجید کے الفاظ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ آپ سن چکے ہیں۔ اس کی مطابقت "آتشیں شریعت" سے دینے میں دشواری کسی کو نہیں پیش آسکتی۔ آگے توریت میں ہے

"ہاں وہ اپنی قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے"

قرآن مجید کے الفاظ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ ابھی آپ کے کان میں گونج ہی رہے ہوں گے اور ان کی کسی شرح کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آخر میں توریت میں اس سلسلے میں ہے۔

"اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں۔ اور تیری باتوں کو مانیں گے"

اسے پڑھ کر قرآن مجید کے بھی یہ الفاظ اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

رکعا سجدا یبتغون من فضل اللہ و رضوانا۔ توریت کا بیان آپ نے سن لیا۔ اب انجیلی مدح صحابہ بھی سماعت فرمائیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے توریت کے مقابعد انجیل کا نام بھی لیا ہے۔ اور کہا ہے۔

ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطاۂ فازرہٗ فاستغلظ فاستویٰ علیٰ سوقہ یعجب الزراع (ایضاً)

اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی ہیں کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔

موجودہ محرف انجیلوں سے بھلا اس عبارت کی کسی درجہ میں بھی تصدیق و توثیق کی امید ہو سکتی تھی؛ لیکن نہیں۔ مماثل عبارتیں اب بھی انجیلوں میں باقی رہ گئی ہیں انجیل متی باب ۱۳ کی آیات ۳۱، ۳۲ جب چاہے پڑھ کر دیکھ لیجئے اور اس وقت تو سن ہی لیجئے۔

"آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانے کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کی ڈالیوں پر آ کر بسیرا لیتے ہیں۔"

اور آپ چاہیں تو ایسی ہی عبارتیں انجیل مرقس باب ۴ آیات ۳۰ تا ۳۲ میں نیز انجیل لوقا باب ۱۳ آیات ۱۸، ۱۹ میں نکال کر پڑھ سکتے ہیں۔

ان مخلص شاگردوں اور جانباز رفیقوں نے رسول کا ساتھ ہجرت و ترک وطن

میں دیا۔ جہاد و قتال میں دیا۔ اور رسولؐ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ صحیفۂ ربانی اپنے کمال ذرہ نوازی اور بندہ پروری سے اپنے ان بندوں کی روداد اِخلاص اپنے اوراق میں برابر درج کرتا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ ہے:۔

لٰکِنِ الرسولُ والذین اٰمنوا معہٗ جاھدوا باموالھم وانفسھمۚ اُولٰئک لھم الخیراتُ واُولٰئک ھم المفلحون (توبہ ع ۱۱)

لیکن رسول اور جو لوگ آپ کے ساتھ (ہوکر) ایمان لائے انھوں نے جہاد کیا اور اپنی جان سے اور اپنے مال سے۔ انھیں کیلئے تو بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ تو فلاح یاب ہیں۔

رضائے الٰہی کے اس معزز تمغہ کے بعد اگر اس طبقہ کے ہر فرد کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنے اور لکھنے کا دستور ہم مسلمانوں میں پڑ گیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات ہی نہیں —— ایک دوسرا پروانہ مغفرت و مغفوریت اُن باعمل پیروانِ رسولؐ کے حق میں اور ملاحظہ ہو۔

والذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اٰووا ونصروا اُولٰئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم (انفال ع ۱۰)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا نیز جن لوگوں نے (انھیں) اپنے یہاں ٹھہرایا اور اُن کی مدد کی یہی (سب) لوگ تو ایمان کا پورا حق ادا کرنیوالے ہیں انھیں کے لئے مغفرت ہے اور بہترین روزی۔

صحابیانِ رسولؐ کی جو دو بڑی تقسیمیں، مہاجرین اور انصار کی ہیں قرآن مجید نے یہاں اس تقسیم کو قبول ہی نہیں کیا۔ بلکہ دونوں گروہوں کی مدح کامل اس ایک آیت کے اندر کر دی۔ ایک گروہ وہ تھا جو اپنے مقتضیاتِ ایمان کی تکمیل کی خاطر ہر طرح کے

خطرے برداشت کیے اور کڑی سے کڑی مصیبتیں جھیل کے اپنے وطن مالوف مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے اور بے خانماں ہوکر دارالہجرۃ مدینہ منورہ کو آیا تھا۔ اور دوسرا طبقہ مدینہ ہی کے باشندوں کا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے مقتضیات ایمان ہی کی تکمیل کی خاطر ان مصیبت زدوں کی پذیرائی کی تھی۔ اِن سب بے گھروں کو نئے سرے سے گھربار والا بنایا اور ان کی خدمت اور مہمان داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ایمان کا حق ادا کرنے والے، قرآن یہاں صاف شہادت دیتا ہے کہ یہ دونوں ہی گروہ ہیں نہ کہ یہ جہاں دوسری جگہ ان دونوں گروہوں کو اُن کے اصطلاحی ناموں "مہاجرین" و "انصار" سے یاد کیا ہے اور مدح صحابہ کا قرآنی نمونہ پیش کردیا ہے۔

لقد تاب اللہ علی النبی	اللہ نے توجہ فرمائی پیمبر کے حال پر اور ان مہاجرین
والمھاجرین والانصار الذین	وانصار کے حال پر بھی جنھوں نے پیمبر کا ساتھ
اتبعوہ فی ساعت العسرۃ	ایسی تنگی کے وقت میں دیا۔ بعد اس کے کہ ان
من بعد ما کاد یزیغ قلوب	میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل
فریق منھم ثم تاب علیھم	پیدا ہو چلا تھا پھر اللہ نے اُن کے حال پر
انہ بھم رؤف رحیم	رحمت سے توجہ فرمادی۔ بیشک وہ ان پر
(توبہ۔ ع ۱۴)	بہت شفیق بہت مہربان ہے۔

ساعۃ العسرۃ کے لفظ میں عموم ہے۔ مہاجرین وانصار دونوں نے حضور کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا۔ لیکن اہل تفسیر و اہل تاریخ نے اشارہ خصوصی یہاں غزوہ تبوک کی جانب سمجھا ہے جس کی تیاریوں کے وقت سامنا غیر معمولی دشواریوں کا کرنا پڑا تھا ــــــ مبارک ہیں وہ اُمتی جن کا ذکر خیر صحیفۂ ربانی میں ذکر رسول کے

ساتھ عطف ہو کر آئے۔ مہاجرین و انصار کے نام کی تصریح کے ساتھ ایک جگہ اور اُن کی مدح و تحسین اسی طرح کھل کر آئی ہے۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجری تحتها الانهار خالدين فيها ابداً۔ ذالك الفوز العظيم (توبہ ع ۱۳)	اور جو مہاجر اور انصار سابق و مقدم ہیں نیز وہ جنھوں نے ان کی پیروی کی نیک کرداری میں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے ندیاں جاری ہوں گی۔ اُن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے بہت بڑی کامیابی یہ ہے۔

رضی اللہ عنهم۔ کا فقرہ اب تو کھل کر اُن قدسیوں کے حق میں وارد ہو گیا۔ اور خیر، صحابۂ مہاجرین و انصار تو ممدوح الٰہی تھے ہی۔ آیت نے یہ بھی صاف کر دیا کہ بعد والے جو ان کی پیروی کریں گے۔ وہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے سزاوار مدح و ستائش ٹھہر جائیں گے۔ اور باحسان کی قید نے ایک اور نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ یعنی تابعین کا اتباع معتبر وہی شمار کیا جائے گا جو احسان یا حُسنِ عمل میں ہو۔ محض معاصرت یا ہم صحبتی کافی نہیں [1]

صحابہ سب کے سب شہری ہی نہ تھے اُن کا ایک حصہ دیہاتیوں پر بھی شامل تھا۔

---

[1] محققین نے خلیفہ "یزید بن معاویہ" کو "تابعین" کے زمرہ میں شامل کرنے سے اسی لئے احتراز کیا ہے کہ یہاں اتباع احسان میں نہ تھا۔

یہ لوگ بیچارے اپنے کمال بے نفسی سے اپنا مال لئے خدمت دین کے لئے حاضر رہتے تھے۔ کہ اسی ذریعہ سے انھیں قرب خداوندی اور التفات رسولؐ حاصل ہو۔ شرف قبول اُن کے عقیدت کے نذرانوں کو حاصل ہوا۔ اور کیسے نہ حاصل ہوتا ارشاد ہوا

ومن الاعراب من یومن باللہ والیوم الاخر۔ ویتخذ ما ینفق قربات عند اللہ وصلوات الرسول الا انھا قربۃ لھم سیدخلھم اللہ فی رحمتہ ان اللہ غفور رحیم

دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اسے قرب عنداللہ کا اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ بیشک ان کا یہ خرچ کرنا باعث قربت ہے۔ ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

(توبہ ع ۱۲)

انھیں اعراب یا دیہاتیوں کے کفر و نفاق کا ذکر بھی قرآن مجید میں شدومد سے آیا ہے۔ لیکن انھیں اہل بادیہ میں کیسے کیسے مخلصین و مقبولین بھی پیدا ہوئے یہ اسی آیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

مسجد نبوی میں آکر جو صحابہؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اُن کی پاکیزہ طینتی پاکیزہ سیرتی کی شہادت پر قرآن مجید نے اپنی مہر یوں لگا دی ہے گو مقصود اس سیاق میں اصلاً صرف مسجد کی تقدیس کا اظہار تھا۔

لمسجد اسس علی التقوٰی من اول یوم احق ان تقوم فیہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ

جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہو کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی (آتے) ہیں جو پسند

یحب المطھرین — کرتے ہیں اس کو کہ خوب پاک صاف رہیں، اور اللہ پسند کرتا ہے خوب پاک صاف رہنے والوں کو
(توبہ ع ۱۳)

ہجرت یعنی دین کی خاطر اپنے وطن مالوف کو چھوڑ دینا بذات خود ایک اتنا بڑا مجاہدہ تھا کہ اسی ایک عمل نے صحابۂ مہاجرین کو بلندیٔ مرتبہ میں کہاں سے کہاں پہونچا دیا تھا۔

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون (النحل، ع ۶)

اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا، ہم انھیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش کہ وہ یہ جانتے!

انھیں مہاجرین مظلوم اور مجاہدین صحابہ کی داد ایک جگہ یوں آئی ہے کہ ان کے ہاتھ اگر حکومت آ گئی۔ تو یہ ملک کو فسق و فجور سے نہیں، ظلم و ستم سے نہیں عدل سے بھر دیں گے۔ اور سکہ شراب و زنا کا نہیں، سود و قمار کا نہیں، خیر و صلاح تقویٰ و طاعت کا چلا دیں گے۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکٰوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج ع ۶)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انھیں دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکات دیں۔ حکم نیک کرداری کا دیں اور روک تھام بدکرداری کی کریں۔

قرآن مجید کی اس سچی پیش خبری کی تصدیق دور خلافت راشدہ نے جس طرح کی اس کی روئداد تاریخ کی زبان سے جب چاہے سُن لیجئے اور آخر یہی تو تاریخ

کا دو مثالی دور ہے جسے گاندھی جی ہمارے اپنے زمانے تک بطور مثالی حکومت کے پیش کرتے رہے ہیں۔

جنگ احزاب کا دن مدینہ کے دس سالہ دور محمدی میں ایک سخت ترین دن ہوا ہے۔ قریش خود ہی کیا کم تھے کہ اس روز اپنے ساتھ ملک کے سارے پُر قوت قبیلوں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے تاکہ ہر طرف سے گھیر کے اور دھاوا بول کے اس موحد و مسلم نو آبادی کا خاتمہ ہی کر دیں۔ اور ظاہری سامان اور مادی آثار سب اسی کے نظر بھی آ رہے تھے۔ لیکن مخلصین کی یہ جماعت اس ہولناک صورت حال اور مخالف ماحول سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔ نہ بد دل ہوئی نہ ہراساں بلکہ سکون قلب و انشراح خاطر کے ساتھ ثابت قدمی و جانبازی کا ثبوت دیتی رہی کلام پاک کی شہادت ملاحظہ ہو

ولما را المومنون الاحزاب	اور جب مومنین صادقین نے احزاب کو دیکھا
قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله	تو بولے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے
وصدق الله ورسوله ومازادهم	رسول خبر دے چکے تھے اور اللہ اور اس کے رسول
الا ایمانا وتسلیما	نے سچ ہی فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان و
(الاحزاب ع ۳)	اطاعت میں اور ترقی ہی ہوئی۔

احزاب ہی کی طرح ایک دوسرے اہم و نازک موقع صلح حدیبیہ کے سلسلے میں بھی دین داروں کی اس جماعت کی مدح تصریح کے ساتھ آئی ہے۔ حالت اندیشہ ناک ہو چکی تھی۔ اور نظر آ رہا تھا کہ جنگ (جس کے لئے مسلمان تیار ہو کر بالکل ہی نہیں آئے تھے) اب چھڑی اور جب چھڑی۔ عین اس وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان جان نثاروں نے حضور کے ہاتھ پہ بیعت آخر دم تک لڑنے مرنے کی کی تھی۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو

خطاب رسول کریمؐ سے ہے ۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا ومغانم کثیرۃ یاخذونھا (الفتح ع ۳)

یقیناً اللہ ان مومنین سے خوش ہو گیا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ اللہ کو بھی معلوم تھا اور اس نے ان کو قریب ہی میں ایک فتح دے دی اور بہت سی غنیمتیں بھی جنھیں وہ لے رہے ہیں ۔

آیت میں ان کو نوید آجل یا مژدۂ اخروی کے ساتھ ایک بشارت عاجل فتح قریب کی بھی مل گئی۔ اور اس سے متصل اور بھی بشارتوں پر بشارتیں ہیں جن کا مستقبل قریب ہی سے تعلق ہے :۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہ وکف ایدی الناس عنکم ولتکون آیۃ للمومنین ویھدیکم صراطا مستقیما واخری لم تقدروا علیھا قد احاط اللہ بھا وکان اللہ علی کل شئ قدیرا (ایضاً)

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے۔ سو سردست یہ تم کو دے ہی دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک رکھے۔ تاکہ یہ مومنین کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے۔ جو تمھارے قابو میں ابھی نہیں آئی ہے، اللہ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

یہ حضرات صحابہ اخلاق و روحانیت کی جن بلندیوں تک پہونچ چکے تھے،

اس کا تذکرہ قرآن مجید نے بکمال اعجاز خود اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا ہو۔ جیسا کہ آپ اب تک سن بھی چکے ہیں، حدیث، سیرت، اور طبقات کے مجلدات میں فضائل صحابہ کی جو طویل و ضخیم روداد نظر آتی ہے وہ سب اسی متن قرآنی کی شرح و تفسیر ہے۔

فئے۔ یعنی کافروں سے جو مال بلا لڑے بھڑے وصول ہو جائے۔ اس کا مصرف مہاجرین، اور انصار، دونوں کے لئے کتاب اللہ نے رکھا ہے لیکن دونوں کا ذکر الگ الگ عنوان سے کیا ہے اور دونوں کے مرتبہ و منزلت پر اپنے بیان کی سطور بین السطور دونوں سے روشنی ڈالا گیا ہے۔

للفقراء المهاجرين الذين	(یعنی) حق ہو ان حاجتمند مہاجرین کا جو اپنے
أخرجوا من ديارهم وأموالهم	گھروں اور اپنے مال سے بے دخل کر دیئے گئے۔
يبتغون فضلا من الله ورضوانا	وہ تلاش میں لگے رہتے ہیں، اللہ کے فضل و
وينصرون الله ورسوله أولئك	خوشنودی کے اور نصرت کرتے رہتے ہیں:
هم الصادقون (الحشر ۱)	اللہ اور اسکے رسول کی۔ یہی لوگ تو ہیں راستباز

یہ نقشہ تو مہاجرین کا ہوا۔ انصار کے جوہر جو اللہ کی نظر میں تھے۔ ان کے لئے اسی آیت سے متصل دوسری آیت تلاوت فرمائیے۔

والذين تبوؤا الدار والإيمان	(اور یعنی) ان لوگوں کا بھی حق ہو جو دار الاسلام
من قبلهم يحبون من هاجر إليهم	میں اور ایمان میں ان سے قبل ہی قرار پکڑے
ولا يجدون في صدورهم حاجة	ہوئے ہیں۔ محبت کرتے ہیں۔ اس سے جو ان کے
مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم	پاس ہجرت کر کے آتا ہو اور مہاجرین کو جو کچھ

ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہٖ فاولئک ھم المفلحون (ایضاً)

ملتا ہو اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور (انہیں) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ (خود) ان پر فاقہ ہو اور جو شخص (اپنی) طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو گیا۔ تو بس یہی ہیں فلاح پانے والے

طبعی بخل نفس پر فتح پا لینے کے بعد بندوں کے معاملات میں پھر کون سا درجہ مجاہدہ باقی بھی رہ جاتا ہے؟ فرق مراتب سے کوئی طبقہ خالی نہیں ہو سکتا۔ انصار۔ مہاجرین سارے طبقات صحابہ ظاہر ہے کہ افراد کے لحاظ سے ایک سطح پر نہ تھے۔ نہ ہو سکتے تھے۔ کوئی کامل تھا۔ کوئی کامل تر۔ لیکن بہرحال مرتبہ خیریت اور درجہ مقبولیت پر فائز سب ہی تھے۔ قرآن مجید نے کتنا صحیح فیصلہ اور وہ بھی خود گروہ صحابہ ہی کو مخاطب کر کے اس باب میں سنا دیا ہے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر (الحدید ع ۱)

تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل مال خرچ کر چکے اور قتال کر چکے۔ وہ برابر نہیں۔ وہ مرتبہ میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے خرچ اور قتال بعد میں کیا اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ (ان) سب ہی سے کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

انبیاء سابقین کے رفیقوں، مریدوں، شاگردوں کے حالات تفصیل کے ساتھ تو معلوم نہیں لیکن حضرت نوحؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کے صحابیوں کے جتنے بھی حالات قرآن مجید یا توریت و انجیل میں درج ملتے ہیں،

ان کا مقابلہ ذرا قرآن ہی کی روشنی میں ہمارے رسول اکرمؐ کے جان نثار صحابیوں سے کرکے دیکھئے تو ایک قدرت خدا نظر آتی ہے۔ اور بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔ کہ آنحضورؐ کی شخصیت جس طرح اپنے ذاتی فضائل و کمالات کے ساتھ نوع بشری میں مثالی ہوئی ہے اسی طرح اپنے صحابیوں کے اخلاص ایثار اور فدائیت کے لحاظ سے تاریخ عالم میں ایک بالکل امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

خطبہ (۸)

معجزات و دلائل

معجزہ یا تائید و نصرت حق کے لئے خارق عادت شاید ہر پیمبر کی زندگی کا ایک لازمی جزو رہا ہے اور اکثر انبیاء مثلاً حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ۔ حضرت یونسؑ حضرت شعیبؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ علیہم السلام کے معجزے تو قرآن مجید میں بہ صراحت مذکور ہیں، ایسی صورت میں یہ کیونکر باور کیا جائے کہ جو انبیاء و رسل کا سردار و سردار ہوا ہے اس سے کوئی معجزہ سرے سے صادر ہی نہ ہوا ہو؟ —— لفظ معجزہ ایک علمی اور کلامی اصطلاح بہت بعد کی ہے قرآن مجید نے ایک بڑا جامع لفظ "آیت" یعنی نشان استعمال کیا ہے۔ اس کے تحت میں خارجی خوارق اور معنوی دلائل دونوں آجاتے ہیں۔

محمد مصطفیٰؐ کا سب سے بڑا اور سب سے نمایاں معجزہ وہ کتاب ہے۔ جسے لے کر آپ آئے اور جو دوسرے معجزات و خوارق کی طرح وقتی اور ہنگامی نہیں۔ بلکہ مستقل اور دائمی ہے۔ اس کتاب نے خود اپنے آپ کو بار بار اس دعوٰی اور

تحدّی کے ساتھ پیش کیا کہ یہ کلام بشر نہیں۔ کلام اللہ ہوں جس کی مثال اور نظیر ممکن نہیں اور اگر رسول کے منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلام رسولؐ کا گڑھا ہوا ہے تو وہ اس کی ساری سورتوں کا نہ سہی۔ کل دس سورتوں کا۔ اور اسے بھی جانے دیں۔ کل ایک ہی سورت کا جواب ذرا تیار کرلائیں۔ اور اس کے لئے انہیں مہلت قیامت تک کی ہے۔ چیلنج وقتی نہیں۔ وہ اور ان کے سارے حمایتی جب بھی چاہیں اپنا پورا زور لگا کر دیکھ لیں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔

جاہل تو یں معجزہ کے معنی صرف مادی خرق عادت یا خارجی اعجوبہ کے سمجھتی رہی ہیں۔ اہل جاہلیت عرب نے بھی رشد وہدایت کے سردار سے یہی مطالبہ پیش کیا جواب میں ارشاد ہوا۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک	کیا ان لوگوں کے لئے یہ نشانی کافی نہیں
الکتاب یتلیٰ علیھم	کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری جو انہیں
(العنکبوت ع ۷)	پڑھ کر سنائی جاتی ہے ؟

گویا بتا یہ دیا کہ اگر اعجاز ہی کی طلب وتلاش ہے تو اس کتاب سے بڑھ کر اعجاز رکھنے والی چیز دنیا وما فیہا میں اور کون ہوسکتی ہے !

اہل علم میں یہ بحث شروع سے چلی آرہی ہے۔ کہ قرآن مجید کا اعجاز کس لحاظ سے اور کس اعتبار سے ہے ؟ کسی نے کہا کہ فصاحت و بلاغت کے معیار سے۔ کسی نے کہا کہ نظم کلام کے لحاظ سے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ پیشین گوئیوں اور غیبی خبروں کے پہلو سے۔ ایک اور گروہ قائل ہے کہ اپنے احکام کی جامعیت اور اپنی تعلیمات کی بلندی کے اعتبار سے۔ اسی طرح اور پہلو بھی اختیار کئے گئے ہیں

لیکن خود قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کا عموم ان تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ گویا قرآن ایک معجزہ رسول کریم کا ان سارے ہی مفہوموں کے اعتبار سے ہے۔ اور اس لئے چیلنج کے لہجہ میں اعلان کر دیا ہے۔ کہ سارے جن و بشر مل کر بھی زور لگا دیکھیں۔ دوسرا قرآن ان کی طاقت سے باہر ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (بنی اسرائیل ع)

آپ کہہ دیجیئے (اے پیغمبر) کہ اگر سارے جنات اور انسان مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو نہ لا سکیں گے۔ خواہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اس آیت میں تو ذکر دوسرے قرآن کا تھا۔ یعنی اس سارے قرآن کے مثل کوئی دوسری کتاب۔ لیکن دوسری جگہ تحدی کا معیار گھٹا کر دس سورتوں تک لے آیا گیا ہے۔ یعنی اگر پورا قرآن نہیں لا سکتے ہو۔ تو اس کا کوئی معمولی حصہ دس ہی سورتوں کی مقدار کا بنا دیکھو!

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہٖ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (ہود۔ ع ۲)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان پیغمبر نے یہ (قرآن) خود گڑھ لیا ہے؟ تو آپ کہہ دیجئے کہ تم اس کی سی دس ہی سورتیں گڑھ کر لے آؤ۔ اور اگر اپنے دعوے میں سچے ہو۔ تو اللہ کے سوا جس کو بھی چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو۔

ہوتے ہوتے چیلنج اتنا سخت ہو گیا۔ کہ مقدار گھٹا کر کل ایک سورت کی کر دی گئی (اور معلوم ہے کہ قرآن مجید کی ایک سورت کل تین آیتوں کی بھی ہو سکتی ہے)

اور ارشاد ہوا کہ اگر کھرے ہو۔ تو اپنے سارے حمایتیوں کو بلا کر کل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین (البقرۃ ع ۳)

اور اگر تم کو اس (کتاب) کے بارے میں شک ہو۔ جو ہم نے اپنے بندۂ (خاص) پر اتاری ہے تو اس کی سی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمہارے گواہوں کو بلاؤ، اگر اپنے دعوی میں سچے ہو۔

اور تقریباً یہی مضمون ایک دوسری جگہ بھی وارد ہوا ہے :-

ام یقولون افترٰہ قل فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (یونس ع ۴)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) نے یہ (قرآن) گڑھ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایک ہی سورۃ اس کی سی لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا جو کوئی بھی تمہارے بس میں ہے اسے بلا لاؤ اگر اپنے دعوی میں سچے ہو۔

ہوتے ہوتے قید ایک چھوٹی سورت کی بھی نہ رہی۔ اور تحدّی کی نوبت شاید ایک آیت یا ایک آدھ فقرہ تک کے لئے پہونچ گئی :-

ام یقولون تقولہ بل لا یومنون فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین۔ (الطور ع ۲)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن (پیغمبر) نے اپنی طرف سے [illegible] ہے۔ بات یہ ہے کہ انہیں ایمان ہی نہیں یہ اس کی سی ایک بات بھی تو بنا لے آئیں۔ اگر یہ اپنے دعوی میں سچے ہیں!

یہ تحدی نہ صرف حضورؐ کی زندگی میں سالہاسال قائم رہی۔ بلکہ اس وقت سے لے کر آج تک ہر ملک ہر زمانہ کے مقابلہ میں قائم چلی آرہی ہے۔ تیرہ صدیاں تو اسی چیلنج پر گذر ہی چکیں۔ اور اب چودھویں بھی ختم پر آرہی ہے۔ آج تک قرآن کے بڑے بڑے مخالفین و معاندین دوسرا قرآن کیا معنی اس کا کوئی حصہ بھی نہ پیش کر سکے! منکرین کی غیرت کو مہمیز کرنے کے لئے قرآن نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا	تو اگر تم یہ نہ کر سکے اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس
فاتقوا النار التی وقودھا الناس	آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی ہیں اور
والحجارۃ اعدت للکافرین۔	(پوجے جانے والے) پتھر بھی۔ جو کافروں کے
(البقرہ ع ۳)	لئے تیار موجود ہے۔

اتنا مستقل، پائدار، زوردار معجزہ کسی اور پیغمبر کو کیوں عنایت ہوا ہوگا۔ اتنا بڑا دعویٰ کسی اور داعی کی زبان سے کب دکرایا گیا ہوگا؟ جس کا جی چاہے آج بھی امتحان کی کسوٹی پر اس معجزہ کو جانچ لے۔ پرکھ لے۔ کسی دوسری آسمانی کتاب کے لئے یہ دعویٰ کب کسی دوسرے صاحب کتاب کی زبان سے نکلا؟

ہاں ایک جگہ خود قرآن ہی نے جو ہر نبی کی عزت کا محافظ ہے اپنے ساتھ توریت کو بھی شامل کر لیا ہے اور یوں کہا ہے کہ کوئی کتاب آسمانی لاکر پیش کرو جو ہدایت نامہ کی حیثیت سے ان دونوں سے بڑھ کر ہو۔

قل فاتوا بکتاب من عند اللہ	آپ کہہ دیجئے کہ کوئی کتاب اللہ کے یہاں سے
ھو اھدیٰ منھما اتبعہ ان کنتم	ایسی لے آؤ، جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر
صادقین فان لم یستجیبوا لک فاعلم	ہو، تو میں اس کی پیروی کروں۔ اگر تم اپنے دعدے

انما یتبعون اھواءھم (القصص ع ۵) | میں سچے ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کی یہ بات نہ کر دکھا سکیں۔ تو آپ جان لیجئے کہ یہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں

اعجاز قرآنی کے یہ دعوے قرآن کی زبان سے کلی و عمومی رنگ میں تھے۔ لیکن کہیں کہیں ایسا بھی ہے کہ قرآن مجید نے ان متعدد وجوہ اعجاز میں سے کسی ایک ہی پہلو کو نمایاں کیا ہے۔ مثلاً کہیں بلسان عربی مبین یا قرانا عربیا غیر ذی عوج کہہ کر اس کی بے نظیر فصاحت و بلاغت کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور کہیں نور و کتاب مبین یا ھدی للمتقین یا یھدی للتی ھی اقوم لاکر اس کے رشد و ہدایت کے پہلو پر زور دیا ہے اور اس کی معنویت کو ابھارا ہے اور کہیں ان ھو شاعر یا ان ھذا الا سحر مبین لاکر اس کی تاثیر اور قوت تسخیر کا اعتراف منکروں کی زبان سے کرایا ہے۔ غرض یہ کہ یہ کتاب کا معجزہ صاحب کتاب کی زندگی کا سب سے بڑا معجزہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ساری تاریخ انبیاء میں اس سے بڑھ کر کسی دوسرے معجزے کی مثال نہیں ملتی۔ اور حق یہ ہو کہ اتنے صریح و واضح اور مستقل و مستمر معجزہ کے بعد رسول اللہ صلعم کو ضرورت ہی کسی دوسرے وقتی اور ہنگامی معجزہ کی نہ تھی۔ لیکن واقعہ یہ نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں ایک دو نہیں متعدد معجزے ایسے اور ملتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے اور قرآن ان کی گواہی رہتی دنیا تک دیتا رہے گا۔

اور ان میں سے ایک بین معجزہ یہ ہے کہ آپ جب اللہ کی راہ میں قتال

کے لئے نکلے۔ اور اپنے سے کہیں قوی تر دشمن کے مقابل صف آرا ہوئے تو آپ کی امداد فرشتوں کے لشکر سے کی گئی۔ اور یہ ماجرا ایک سے زائد بار پیش آیا اس لشکر غیبی کے لئے کہیں تو الفاظ مبہم استعمال ہوئے ہیں، مثلاً غزوۂ حنین کے سلسلہ میں یہاں ارشاد صرف اس قدر ہوا ہے۔

انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ	اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر
وعلی المومنین وانزل جنوداً	اور مومنوں پر اور وہ فوجیں بھی جن کو تم
لم تروھا (التوبہ ع ۴)	لوگ نہ دیکھ سکے

اور ایسا ہی ایک مجمل بیان غزوۂ احزاب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اذ جاءتکم جنود فارسلنا	جب دشمن کی فوجیں تم پر آ پڑیں تو ہم نے
علیھم ریحا وجنوداً لم تروھا	ان پر تیز ہوا بھیجی اور فوجیں جنہیں تم لوگ
(الاحزاب ع ۲)	نہ دیکھ سکے۔

ان دونوں واقعات میں فرشتوں کی تصریح نہیں ہے۔ گو غیر مرئی لشکروں سے مراد فرشتے ہی لئے گئے ہیں۔ لیکن غزوۂ بدر کے سلسلہ میں یہ پردہ بھی اٹھ جاتا ہے۔ اور فرشتوں کی نہ صرف تصریح ہوتی ہے بلکہ ان کی تعداد بھی معرض بیان میں آجاتی ہے۔

فاستجاب لکم انی ممدکم	تمہارے پروردگار نے تم لوگوں کی سن لی
بالف من الملئکۃ مردفین	اور کہا کہ میں تمہاری مدد آتے رہنے والے
(الانفال ع ۱)	ایک ہزار فرشتوں سے کروں گا۔

غزوۂ احد کے سلسلہ میں تو نوبت تصریح در تصریح کی آگئی ہے۔

اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثة الاف من الملٰئکة منزلین بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملٰئکة مسومین (آل عمران ع ۱۳)

اور جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے گا، ہاں کیوں نہیں بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ کو قائم رکھا اور اگر وہ یعنی دشمنوں کے لشکر تم پر اچانک آپڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے کریگا

انھیں محاربات وغزوات کے سلسلہ میں علاوہ نزول ملائکہ کے اور بھی جن غیبی اور خدائی طریقوں سے رسول برحق کی امداد ہوتی رہی ہے۔ مثلاً دلوں میں القائے سکینت، دشمن پر ہوائے مخالف کا چلنا، بارش ہو جانے سے لشکر اسلام کو نفع پہونچ جانا، تھکے ہوئے مسلمان فوجیوں کا غنودگی سے تازہ دم ہو جانا یہ ساری چیزیں قرآن مجید کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ اور ان سب کا شمار اگر معجزات نبوی میں نہ کیجئے تو آخر اور کیا کیجئے۔

اور ان غیبی امدادوں اور اس قسم کے معجزات کا دائرہ غزوات ومحاربات ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ ہجرت مدینہ کے وقت بھی اس رسول برحق کی نصرت کچھ ایسی ہی عجائب کاروبار سے ہوئی تھی ـــــ سرداران قریش کی دشمنی اس وقت شباب پر تھی اور چالیں ہر طرح کی آپ کی قید اور جلاوطنی اور قتل کے لئے چلی جا رہی تھیں۔

واذ یمکر بک الذین کفروا

اور جبکہ یہ لوگ آپ کی نسبت چالیں چل رہے تھے

یثبتوک او یقتلوک او یخرجوک — کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں۔ (الانفال ع ۴)

اس وقت کا منظر یوں دکھایا گیا ہے ۔

یمکرون و یمکر اللہ — وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔ (ایضاً)

غرض یہ کہ ہجرت کا دشوار مرحلہ اعجازی ہی رنگ میں رسولؐ کے لئے آسان کر دیا گیا۔ اور ان جزئی اور متفرق واقعات سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز یہ قرآنی وعدہ ہے کہ شدید ہجوم اعداء کے باوجود اللہ آپ کو محفوظ اور صحیح و سالم بھی رکھے گا۔

واللہ یعصمک من الناس — اللہ آپ کو محفوظ رکھے گا لوگوں سے (المائدہ ع ۱۰)

اور یہ سورۃ تو مدنی ہے اس سے قبل ایک مکی سورۃ میں جانی دشمنوں کے نرغہ کے وقت کچھ اس قسم کی تسکین دی جا چکی تھی ۔

فاصبر لحکم ربک فانک باعیننا — آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہئے آپ تو ہمارے آنکھوں کے سامنے ہیں (الطور ع ۲)

گویا ساری زندگی آپ کی بحفاظت اعجازی رنگ میں گزرتی رہی تا آنکہ آپ نے اپنے مقصد وجود کو پورا کر لیا اور حق تبلیغ رسالت کا ادا کر دیا۔

ہمارے رسول کے خوارق و معجزات میں سے ایک بہت ممتاز آپ کا وصف اُمیّت ہے ۔ جو شخص ایران ہندوستان مصر عراق، یونان وروم کے

عروج و حکمت و دانش کے ہر دور کے بعد آیا وہ رسمی و اصطلاحی معنی میں علوم عصری کا تو نفس اجنبی ہونا الگ رہا، معمولی طور پر بھی پڑھا لکھا نہ تھا۔ اور وہ اپنی لائی ہوئی کتاب۔ اور اپنے قول و عمل سے دنیا کے بڑے سے بڑے حکیموں اور دانشوروں کو بھی درس ہدایت دے گیا۔ کوئی اعجوبہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟ — قرآن مجید نے آپ کے اس معجزۂ اُمیت کا بیان بہ تکرار بھی کیا ہے — اور بہ صراحت بھی — ایک جگہ آپ کے تعارف کے سلسلہ میں ہے

الذین یتبعون الرسول النبی الامی (الاعراف ع ۱۹)
(مومنین) پیروی کرتے ہیں اُمی رسول و نبی کی۔

اور پھر کچھ ہی دور آگے چل کر حکم دیتے ہوئے بھی اسی وصف کو دہرایا ہے

فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی (الاعراف ع ۱۹)
ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے اُمی رسول و نبی پر۔

تیسری جگہ ہے اہل عرب کے لئے محل امتنان و انعام میں ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم (الجمعۃ ع ۱)
وہ اللہ ہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

حقیقتہً یہ وصف اُمیت جس طرح رسول کی ذات کے لئے ایک اعجاز ہے اسی طرح اعجاز قرآن کی مزید تقویت کے لئے بھی ہے۔ ایسا کلام جس کے مثل و نظیر سے بڑے بڑے حکیم و ادیب مل کر بھی عاجز رہیں، اس کی تصنیف پر کسی اُمی شخص کا قادر ہو جانا بھلا کسی عقل کے لئے بھی قابل قبول ہو سکتا ہے؟ — چنانچہ چوتھی جگہ قرآن جہاں آپ کے وصف اُمیت کا اثبات کرتا ہے وہیں

اس کی مزید صراحت کے ساتھ اس کی اس حکمت و مصلحت کا بھی اضافہ کر دیا ہے،

وماکنت تدری ما الکتاب	اور آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب ہے کیا چیز۔ اور نہ
ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب	اپنے ہاتھ سے اسے لکھ ہی سکتے تھے اگر ایسا ہوتا
المبطلون (العنکبوت ع ۵)	تو اہل باطل کچھ شک کر بھی سکتے تھے۔

یعنی اس وقت ان باطل پرستوں کو یہ کہنے کی گنجایش کچھ نکل بھی سکتی تھی کہ آدمی پڑھے لکھے ہیں۔ کہیں سے لے لواکر ایسی تصنیف کر ڈالی۔

یہ سب انکار صریح تو آپ کی کتابی اور ظاہری تعلیم سے ہوا۔ ایک جگہ آپ کی قبل نبوت کی معنوی تعلیم کی بھی نفی کی ہے۔

وماکنت تدری ما الکتاب	آپ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز
ولا الایمان (الشوریٰ ع ۵)	ہے اور ایمان کیا۔ ؎

اسی امیت ہی کے اعجاز کو نمایاں تر کرنے کے لئے ایک جگہ تاریخ قدیم کے واقعات کو بیان کرکے ارشاد ہوا ہے۔

ماکنت تعلمہا انت ولا قومک	ان کا علم نہ آپ کو تھا نہ آپ کی قوم کو اس
من قبل ھذا۔ (سورہ ہود ع ۴)	(نزول قرآن) سے قبل

سلسلہ معجزات میں حدیث وسیر کی کتابوں میں دو واقعات کا ذکر شد و مد سے آیا ہے۔ ایک ان میں سے معجزۂ شق القمر ہے۔ قرآن مجید کی جس آیت میں

؎ اور اگر کہیں کوئی بات دینی حقایق و معارف کی آپ کے کان میں محض اتفاق سے کبھی پڑ گئی ہو۔ مثلاً نسطوری راہب بحیرا کی زبان سے آپ کے سفر شام کے دوران میں تو یہ بیان قرآن کے منافی نہیں۔

یہ ذکر ہے۔ گو اس کی تعبیر و تفسیر مختلف طریقوں سے کی جا سکتی ہے اور یہ لازمی نہیں کہ اس کے متعین طور پر یہی معنی لئے جائیں۔ پھر بھی اگر اس کو حیات نبوی کا ایک مسلم واقعہ سمجھا جائے تو قرآن مجید اس کی تائید کے لئے موجود ہے۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر	قیامت کی گھڑی قریب آ گئی ہے اور چاند
وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا	شق ہو گیا اور یہ کافر لوگ تو کوئی سا بھی
سحر مستمر	نشان دیکھیں اس سے اعراض ہی کرتے رہیں
(القمر - ع ۱)	اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے

اہل سیر کے نزدیک یہ ابتدائی مکی زندگی میں پیش آیا تھا۔

اور دوسرا مشہور واقعہ شق صدر کا ہے جو حضور کے بچپن میں پیش آیا تھا۔ جزئیات و تفصیلات کے ساتھ تو نہیں البتہ اجمالاً اس کی طرف اشارہ اس مشہور آیت میں مل سکتا ہے۔

الم نشرح لک صدرک	کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ کھول
(الانشراح)	نہیں دیا؟

سوانح نبوی کا ایک بڑا معرکۃ الآرا واقعہ معراج نبوی ہے۔ اور عام امت کے ذہن میں اس کا شمار اہم ترین معجزات نبوی ہے۔ اور حدیث و سیر کی کتابیں اس کی تفصیلات سے بھری ہوئی ہیں ـــــ بنیادی حیثیت سے دو بالکل الگ الگ جز اس واقعہ عظیم کے ہیں۔ اور قرآن مجید نے بھی دونوں کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ گو ہر جز کی تفسیر و تعبیر متعدد پہلوؤں کی حامل ہے۔ پہلا جز حرم مکہ سے بیت المقدس تک راتی راتا سفر سے متعلق ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہٗ من اٰیاتنا

(بنی اسرائیل ع ۱)

پاک ہے وہ ذات جو راتی رات لے گئی اپنے بندۂ خاص کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے گرد و پیش ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اپنے اس (بندہ) کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔

مکہ معظمہ سے یروشلم کا فاصلہ سیکڑوں میل ہے۔ طے کرنے میں اس وقت ہفتوں نہیں مہینوں کی مدت لگ جاتی تھی اتنا لمبا فاصلہ ایک رات کے اندر ہی اندر طے کر لینا یقیناً ایک اعجوبہ اور بہت بڑا اعجوبہ تھا۔ قرآن مجید نے معجزہ کے اس جزو کی تصدیق ہی نہیں کی خود اس کی روایت کی!

معجزہ کا دوسرا جزو پہلے سے بھی اہم تر و عجیب تر ہے۔ اور وہ سیر آسمانی سے متعلق ہے۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اس کی خاصی تفصیلات بھی بیان کر دیں۔ گو زبان تمام تر رمز و کنایہ کی رکھی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

علمہ شدید القویٰ ذومرۃ فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ماکذب الفؤاد مارایٰ۔ افتمارونہ علیٰ مایریٰ

(النجم ع ۱)

(اُن (پیغمبر) کو سکھلاتا ہے بڑی قوت والا (فرشتہ) پیدائشی طاقتور پھر وہ اصلی صورت پر ظاہر ہوا اس حال میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا پھر وہ نزدیک ہوا اور زیادہ نزدیک ہوا سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر وحی نازل کی (انکے) قلب نے کوئی غلطی نہیں کی دیکھی ہوئی چیز میں تو کیا تم ان سے نزاع کرتے ہو اُن دیکھی ہوئی چیزوں میں جو

اُن کی دیکھی بھالی ہیں۔

بیان ابھی ختم نہیں ہوا ہے آگے ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد راٰہ نزلۃ اُخریٰ عند	اور انھوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے
سدرۃ المنتھیٰ عندھا جنۃ	سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کہ اس کے قریب جنت الماویٰ
الماویٰ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ	ہے جبکہ اس سدرہ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ
ما زاغ البصر وما طغیٰ لقد رایٰ	لپٹ رہی تھیں۔ اُن (پیغمبر) کی نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی
من اٰیات ربہ الکبریٰ	یقیناً انھوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت) کے بڑے
(النجم)	عجائبات دیکھے۔

مفہومی ترجمہ آیتوں کا آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ رہی ان مشاہدات و کیفیات کی جزئی تحقیق تو اس کے لئے موزوں دوسری جگہیں ہو سکتی ہیں۔ سیرت نبوی قرآنی سے ان دقائق کا تعلق نہیں۔

قرآن مجید کے صفحات کے اندر متعدد واقعات سے متعلق جو اس وقت تک معرض وقوع میں نہیں آئے تھے۔ پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ کہیں جلی اور کہیں خفی، جو آگے چل کر تمام تر صحیح ثابت ہوئیں۔ مثلاً فتح خیبر۔ فتح مکہ۔ عہد رسالت کے بعد کی فتحمندیاں۔ وقس علیٰ ہذا۔ یہ اخبار بالغیب براہ راست قرآن سے متعلق ہے۔ اور ایسی چیزوں کا شمار معجزات قرآنی ہی کے ماتحت ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سارے دعوے نبیؐ ہی کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوئے تھے۔ اس لئے اگر انھیں معجزات نبوی سے تعبیر کیا جائے جب بھی کچھ بے جا نہ ہوگا۔ ان سچی اور حیرت انگیز پیشین گوئیوں میں سب سے بڑھ کر غلبۂ روم کی پیشین گوئی نکلی وقت کی سب سے بڑی سلطنتیں تھیں شہنشاہ

مشرق میں ایران اور مغرب میں روم کی تھیں۔

ایران ۶۱۶ء میں اپنے حریف روم کو زبردست اور کامل شکست دے چکا تھا اور مادی ظاہری اسباب کے لحاظ سے اس کی مطلق توقع نہ تھی کہ رومی مستقبل قریب میں کچھ بھی عوض اپنی شکست فاش کا لے سکیں لیکن قرآن مجید نے اسی وقت بیدھڑک خبر دیدی اور مخالفین کے جم غفیر کو سنا دیا کہ رومی چند ہی سال کے اندر از سر نو فتح مند ہو جائیں گے۔

غلبت الروم فی ادنی الارض	رومی قریب تر سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں
وھم من بعد غلبھم سیغلبون	لیکن وہ مغلوب ہونے کے بعد چند ہی سال
فی بضع سنین للہ الامر من قبل	کے اندر پھر غالب آ جائیں گے۔ اللہ ہی کے
ومن بعد ویومئذ یفرح المومنون	ہاتھ میں ہر اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور
بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو	اس روز مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے
العزیز الرحیم وعد اللہ	جسے چاہے مدد دے وہ غالب ہے رحیم ہے
لا یخلف اللہ وعدہ	اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کو کبھی
(الروم ع ۱)	نہیں توڑتا۔

دس سال بھی نہیں گذرنے پائے تھے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ ابھی کل نواں سال تھا یعنی ۶۲۵ء کہ روم کو نہ صرف فتح کامل ایران پر حاصل ہو گئی! اور یہ یاد میں تازہ کر لیجیے کہ قرآن مجید نے لفظ فی بضع سنین (چند سال کے اندر) کا استعمال کیا تھا۔ اور زبان عربی میں بضع کا اطلاق نو ہی سال تک کے ہر سال بھی ہے۔ مشہور انگریز مورخ گبن نے صدیوں بعد گواہی دی کہ پیشین گوئی کے

وقت اس پیشین گوئی سے بڑھ کر کوئی چیز بعید از قیاس نہ تھی۔

معجزات اجل کا ذکر آچکا۔ معجزات نبوی کی ایک نوعیت یہ بھی تھی کہ کبھی کسی واقعہ مخفی سے حضور کو غیب سے اطلاع ہو جاتی تھی۔ اور آپ کے قریب والے تک آپ کی اس غیب دانی سے حیران رہ جاتے تھے ایک بار ایک بیوی صاحبہ سے آپ نے کوئی بات راز میں فرمائی انھوں نے رازداری کے اس اہتمام کے ساتھ وہ بات دوسری بیوی تک پہونچا دی یہ راز شکنی کا راز آپؐ پر غیب سے ظاہر ہو گیا۔ آپ نے ان پہلی بیوی صاحبہ سے سوال کیا ان بیچاری نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کیسے لگ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر میرے خدائے دانا و بینا نے پہونچا دی۔

فلما نبأها به قالت من انبأك هذا قال نبأني العليم الخبير (التحریم ع ۱)	جب آپ نے ان پہلی بیوی کو جتایا تو انھوں نے (حیرت سے) پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کس نے دی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی خدائے علیم خبیر نے

اور تفحص و استقصاء سے کام لیا جائے تو اس طرح کے اور بھی اتفاقات کے اشارے قرآن مجید میں مل جائیں گے۔

خطبہ (۹)

خانگی اور ازدواجی زندگی

دوسرے مذہبوں کی تعلیم جو کچھ بھی ہو۔ اسلام نے پیمبروں کو راہبوں اور سنیاسیوں کی شکل میں نہیں۔ بلکہ بیوی بچے رکھنے والے، اولاد و خاندان والے۔ گھر گرہستوں کے قالب میں پیش کیا ہے۔ اور اللہ کے خاص بندوں، عباد الرحمٰن کا ایک صفت یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ وہ اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ انکے ازواج و اولاد کو اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔

والذین یقولون ربنا ھب لنا	اور یہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے
من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین	ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری
واجعلنا للمتقین اماما۔	اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا
(الفرقان ع ۶)	فرما۔ اور ہم کو متقیوں کا سردار کر دے۔

پیمبروں نے اولاد کی تمنائیں کی ہیں دعائیں کی ہیں چنانچہ حضرت زکریا کی زبان سے۔

رب لاتذرنی فرداً وانت	اے میرے پروردگار مجھے لاوارث نہ رکھیو

خیر الوارثین (الانبیا ع ۶) اور یوں سب سے بڑا وارث تو تو ہی ہے۔

اور دوسری جگہ یہ دعا تفصیل سے نقل فرمائی گئی ہے۔ پیرانہ سالی کے باوجود اولاد صالح کے لئے آپ کس للک کے ساتھ دعا و مناجات کرتے ہیں۔

وانی خفت الموالی من ورائی	اپنے بعد مجھے اپنی برادری والوں سے اندیشہ ہے
وکانت امراتی عاقراً فھب لی	اور میری بیوی عقیم ہے سو تو مجھے خاص اپنے
من لدنک ولیا یرثنی ویرث	پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ کہ وہ میرا بھی
من آل یعقوب. واجعلہ رب	وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے
رضیا۔ (مریم ع ۱)	اور اسکو اے میرے رب پسندیدہ بنائیے۔

قرآن مجید نے پیمبروں میں سے ذکر ایک کا نہیں بہتوں کا کیا ہے اور اُن میں سے اکثر کے ساتھ تذکرہ ان کے اہل یا عیال کا بھی آگیا ہے۔ عموماً مدح و امتنان کے موقع پر۔ پیمبروں کی اس عام سنت کے بعد رسول صلعم کا عیالدار ہونا بالکل اغلب تھا لیکن ضرورت ظن و قیاس کی نہیں۔ رسول کے اہل بیت کا تذکرہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور آپ کی خانہ داری اور زدواجی زندگی اس حد تک تو قرآن مجید سے صاف نکل ہی رہی ہے۔ رسول اللہ کی اہلی زندگی کے سلسلہ میں قرآن مجید میں ازواج اور نساء دو لفظ آئے ہیں اور دونوں بصیغۂ جمع اس سے یہ تو ظاہر ہی ہو گیا کہ آپ کی بیویاں متعدد تھیں۔ ایک جگہ ہے:۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما	اے نبی آپ اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اپنے
احل اللہ لک تبتغی مرضات	اوپر وہ کیوں حرام کئے لیتے ہیں، جو اللہ نے

ازواجك (التحریم ع ۱) آپ کے لئے جائز رکھا ہے۔

ازواج بصیغہ جمع اور کئی جگہ بھی قرآن میں حضور کی بیویوں کے لئے آیا ہے

اور یہی حال لفظ نساء (بہ صیغۂ جمع) کا ہے۔

یا نساء النبی لستن کاحد اے نبی کی بیویو تم معمولی عورتوں کی طرح

من النساء (الاحزاب ع ۴) نہیں ہو۔

اور اس رکوع میں بار بار ذکر انہیں بیویوں کا بہ صیغہ جمع آیا ہے۔ تو نفس

تعدد تو قرآن مجید نے واضح طور پر ظاہر کر دیا ہے۔ اب یہ کہ ان کی تعداد کتنی تھی

اس پر چونکہ کوئی فقہی، اخلاقی، روحانی مسئلہ مبنی نہ تھا۔ اس لئے قرآن مجید نے

اسی غیر ضروری جزیہ کا ذکر نہ کیا۔ تعداد کی تصریح حدیث و سیر کی کتابوں میں ملتی ہے

ان ازواج مطہرات کا مرتبہ بھی عام مومنات سے بلند تر تھا۔ اور ساتھ ہی

ان کی ذمہ داریاں بھی کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ جو آیت آپ نے ابھی سنی تھی

اسے ایک بار پھر سماعت فرمالیں۔

یا نساء النبی لستن کاحد اے نبی کی بیویو تم معمولی عورتوں کی طرح

من النساء ان اتقیتن (ایضاً) نہیں ہو۔ اگر تقویٰ اختیار کئے رہو۔

اور چونکہ یہ جادۂ تقویٰ سے نہیں ہٹیں بلکہ اس پر قائم و مستقیم رہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید کی سطور و بین السطور دونوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی

لئے لازمی طور پر ان کی قدر و منزلت بھی بہت اونچی رہی۔

ایک جگہ ان کے فضل و منزلت اور ان کی ذمہ داریوں دونوں کو

کس طرح سمو کر بیان فرما دیا گیا ہے۔

یانساء النبی من یات منکن بفاحشۃٍ مبینۃ یضاعف لها العذاب ضعفین (الاحزاب ع ۴)

اے نبی کی بیویو تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی۔ اس کو سزا بھی دُہری ملے گی۔

اور اسی کے متصل

ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحًا نؤتها اجرها مرتین (ایضاً)

اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے پیمبر کی فرمانبرداری کرے گی۔ اور نیک عمل کرتی رہے گی۔ ہم اسے اس کا اجر بھی دُہرا دیں گے۔

ان کے لئے شریعت کے عام قانونوں کی پابندی ضروری تھی۔ اور اُن کے لئے کچھ احکام خصوصی بھی تھے۔ ایک طویل آیت میں ان میں سے اکثر کو ایک جا کر دیا گیا ہے:۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفًا وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیۃ الاولیٰ واقمن الصلوٰۃ وآتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا واذکرن ما یتلیٰ فی

تو تم بولنے میں نزاکت نہ اختیار کرو کہ اس سے ایسے شخص کو کہ جس کے دل میں کھوٹ ہے توقعات قائم ہونے لگیں گی اور بات کھری کہا کرو اور اپنے گھروں کے اندر قرار سے رہا کرو اور زمانہ جاہلیت قدیم کی طرح اپنا بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکات دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور

بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفاً خبیراً (ایضاً)

اللہ کو یہ منظور رہا ہے نبی کے گھروالو کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تمھیں خوب پاک صاف رکھے اور عنایات الٰہی اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمھارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بیشک اللہ راز داں ہے اور پورا خبردار ہے۔

"اہل البیت" کے لغوی معنی میں گو وسعت و تعمیم ہو لیکن یہاں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے اس سے کھلی ہوئی مراد ازواج مطہرات ہی ہیں۔ یہ آیت اور جو آیت اس کے ماقبل تلاوت ہو چکی ہے دونوں کے ملانے سے اتنے امور پوری طرح روشنی میں آجاتے ہیں۔

اول یہ کہ۔ قانون شریعت جو ساری اُمت کے لئے تھا وہی ان پاک بیویوں کے لئے بھی تھا۔ یہ نہ تھا کہ شرف زوجیت رسولؐ کی بنا پر یہ شریعت کی کسی دفعہ سے مستثنیٰ ہو جاتیں۔ یا یہ کہ تعمیل احکام سے کسی جز میں بھی معاف ہو جاتیں۔ یہ استثنا، اور یہ معافی جب خود حضرات انبیاء کی ذات تک کے لئے نہ تھی تو ان کے ازداج و اولاد کے لئے کیونکر ممکن تھی

دوسرے یہ کہ پاکبازی اور طہارت نفس کا معیار ان پاک بیویوں کے لئے کچھ اور بڑھا کر رکھا گیا۔

تیسری بات یہ کہ گھروں کے اندر رہنے اور بلا ضرورت باہر چل پھر کرنے سے باز رہنے کی تاکید ان کے لئے ہوئی۔

چوتھے نمبر پر یہ کہ ازواج نبیؐ کے لئے یہ خصوصی درجہ شرف و احترام کا مقرر کر دیا گیا۔ ان کے حسن عمل پر اجر بھی زائد اور ان کی خطاؤں لغزشوں پر گرفت بھی زیادہ سخت۔

پانچویں بات یہ کہ اس کی شہادت کہ ان بیویوں کے گھروں میں چرچا قرآن و حکمت ربانی کا خوب رہا کرتا تھا فی بیوتکن کا لفظ بہت قابل لحاظ ہے فی بیوت النبی نہیں فرمایا۔ بلکہ گھروں کی نسبت خود انہیں محترمات کی جانب کی ہے۔

یہ بھی خیال کر لیا جائے کہ چھٹی صدی عیسوی اور ساتویں صدی کے شروع کا عرب تمدن بیسویں صدی کا فرنگی تمدن نہ تھا کہ مکان میں کئی کئی کمرے بیڈ روم اور ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم وغیرہ ہوں۔ رسول اعظمؐ کی بھی سکونت کے لئے بس ایک حجرہ ہی تھا۔ اور حجرہ کا ترجمہ آج کے معیار سے بجائے کمرے کے کوٹھری ہی سے کرنا قرین صحت ہوگا۔ چونکہ ازواج مبارک متعدد تھیں۔ حجرے بھی قدرۃً متعدد ہی تھے۔ اور آپؐ کا قیام کبھی ایک حجرہ میں رہتا، کبھی دوسرے میں۔ اور اوقات مقررہ پر مجلس باہر مسجد میں ہوتی قرآن مجید نے اسی لئے حجرات بہ صیغۂ جمع استعمال فرمایا ہے اور عرب کے گنواروں کو اس شائستگی کی تعلیم دی ہے کہ آپ کو باہر سے پکارنا نہ شروع کر دیا کریں۔ بلکہ آپ کے باہر برآمد ہونے کا انتظار کیا کریں۔

ان الذین ینادونک من وراء   جو لوگ آپ کے حجروں کے باہر سے آواز

الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتیٰ تخرج الیھم لکان خیرًا لھم واللہ غفورٌ رحیم

(الحجرات ع ۱)

آواز دیتے ہیں، ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اگر یہ ذرا ٹھہر جاتے، کہ آپ ان کے لئے باہر نکل آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا ہے۔ مہربان ہے۔

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ سا درمیان میں آ گیا۔ اب پھر متوجہ ازواجِ مطہرات کے ذکر کی طرف ہو جائیے۔ انھیں کی معاشرت اور منزلی زندگی کے سلسلہ میں یہ آیت بھی بہت پُر معنی ہے۔

یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیٰوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحًا جمیلا۔ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرًا عظیمًا

(ایضًا)

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع دے دوں اور خوبی کے ساتھ تمہیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے تم میں سے نیک کاروں کے لئے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

لیکن نیک کار (محسنات) تو یہ سب ہی تھیں جیسا کہ قرآن مجید کے سکوت سے اور تاریخ و سیر کی تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور استثنا کسی ایک کا بھی کہیں سے ثابت نہیں اس لئے اجر عظیم کی حصہ دار یہ سب ہی قرار پائیں۔

ایک بات اور بھی آیت سے نکل آئی۔ جب آنحضرتؐ نے (تعمیل ارشادِ الٰہی میں)

سب ہی بیوی صاحبوں کو اس کی اجازت دیدی تھی کہ دنیا کی خوشحالی کی اگر بہار دیکھنا چاہتی ہو تو میں تم کو ہنسی خوشی اپنے سے الگ کر دینے کو تیار ہوں اور اس اجازت و رعایت سے فائدہ کسی ایک نے بھی نہ اٹھایا۔ تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اُن سب کی زندگی تقویٰ و طہارت کے کس بلند مرتبہ پر تھی ـــــــ اور پھر ایک بات اور بطور رشاخ در شاخ کے یہ بھی نکل آئی کہ آپس میں سارے طبعی اختلافات کے باوجود جب مال دنیا سے یہ بے رغبتی اور نفع اخروی کی طرف رغبت ان سب میں مشترک رہی تو یہ نتیجہ صرف زوجیت رسولؐ ہی کا ہو سکتا ہے اور اس سے خود رسولؐ کی نظر کیمیا اثر پر بھی پوری روشنی پڑ جاتی ہے۔

اب ذرا ایک اور زاویے سے آیت پر نظر کیجئے تو یہ حقیقت بھی فاش و برملا سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہؐ کی خانگی معیشت بہت سادہ اور معمولی قسم کی تھی جس کے لئے خوشحالی کا حوصلہ اور امنگ رکھنے والی ہر عورت کو پتہ مار کر ہی رہنا ہوتا تھا۔

ازدواج کے تعدد کی شہادت میں ایک آیت کچھ دیر پہلے سامعین باتمکین کے علم میں آچکی ہے سورۂ تحریم کی وہی آیت ایک بار پھر حسن معاشرت کے پہلو سے ملاحظہ ہو۔

یاایھا النبی لم تحرم ما احل	اے نبی آپ اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے
اللہ لک تبتغی مرضات	اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہیں
ازواجک (التحریم ع ۱)	جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔

اس دلجوئی کا کچھ ٹھکانا ہے! بیوی صاحبوں کی دلجوئی رسول اللہؐ کو

اس درجہ مدنظر رہتی کہ کبھی اس پر اللہ کی طرف سے بندش عائد کرنے کی ضرورت پڑ جاتی! یہ وہ معاندین دیکھیں جنھوں نے رسول اللہؐ کی لطیف و نرم، دلآویز شخصیت کو ایک سخت گیر، درشت اور خشک مزاج انسان کی حیثیت سے پیش کرنا چاہا ہے! ابنی کسی رفیق زندگی کی خاطر، کسی مادی لذت سے تمتع نہ کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لینا، بجائے خود معصیت کسی درجہ میں بھی نہیں، پھر بھی صاحب شریعت کے درجہ سے فروتر تھا اس لئے تنبیہہ فرمادی گئی کہ پیمبر کا کسی نعمت دنیوی مستقل طور پر دست بردار ہو جانا عملاً اس کے حرام کر لینے ہی کے حکم میں داخل ہے۔

اس آیت کے معاً بعد کی تین آیتیں اسی سلسلہ بیان سے متعلق اور ہیں اور تینوں بڑی معنی خیز۔ پہلی آیت ہے۔

واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نباھا بہ قالت من انباك ھذا قال نبانی العلیم الخبیر	(اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہو) جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے کوئی بات چپکے سے فرمائی۔ اور وہ بات اُن بیوی نے (کسی اور بیوی) کو بتادی۔ اور اللہ نے نبی کو اس کی خبر کر دی۔ تو نبی نے اس کا کچھ حصہ تبلا دیا۔ اور اور کچھ کو ٹال گئے پھر جب نبی نے ان بی بی کو وہ بات جتلا دی تو وہ بولیں۔ کہ آپ کو کس نے اس کی خبر کر دی۔ آپ نے کہا کہ مجھے خبر دی ہر علم رکھنے والے، ہر خبر رکھنے والے نے
(ایضاً)	

جس قصہ کی جانب اشارہ اس آیت میں ہے۔ اس کا ماحصل حدیث نہ

سیر کی کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے کسی زوج مبارک سے کوئی بات مصلحتاً رازدارانہ فرمائی تھی۔ ان صاحبہ نے وہ بات دوسری صاحبہ تک پہنچا دی۔ اور اس کی اطلاع آپؐ کو وحی الٰہی سے ہوگئی۔ اس پر آپ نے ان پہلی بیوی صاحبہ سے راز شکنی کی شکایت کی۔ لیکن اس وقت بھی پوری بات نہ دہرائی۔ کہ اس سے ان کو شرمندگی اور زیادہ ہوتی۔ بس صرف اتنا فرمایا کہ تم نے ہماری آپس کی بات دوسری تک بلا اجازت کیوں پہنچائی؟

قرآن مجید کوئی بات بلامقصد نہیں بیان کرتا۔ اس تمام تر خانگی قصہ کے نقل ہونے سے سبق ایک نہیں کئی کئی نکلتے ہیں۔

چنانچہ پہلی بات تو یہی نکلی، کہ آپؐ کی معیشی اور خانگی زندگی جنت کی نہیں اسی خاکی دنیا کی زندگی تھی۔ جو نوع بشری کے ہر ہر فرد کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی تھی۔ پیچیدگیاں اس میں وہی پیش آتی تھیں۔ جو ہر انسان کو اپنی ازدواجی زندگی میں پیش آسکتی ہیں۔ اور علاوہ ملکی انتظامات اور اجتماعی معاملات میں اُمت کی رہنمائی و پیشوائی کے آپؐ کو خانگی معیشت کے مرحلوں سے گزرنا تھا کہ بغیر اس کے اسوۂ حسنہ کے کامل و جامع رہنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ علیٰ ہذا بیوی صاحبان کی فطرت بھی اعلا سے اعلا تربیت و تزکیۂ نفس کے باوجود بشری ہی تھی۔

دوسرا سبق یہ ملا کہ حسن معاشرت و معیشت گویا آپؐ پر ختم تھا عین ناگواری کے وقت بھی رفق و ملاطفت کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پایا۔ اور دلدہی و دلجوئی کے تقاضوں سے اشتعال کے وقت بھی ذہن کو غفلت نہ ہوئی۔

تیسرا پہلو یہ ملاحظہ ہو، کہ زبان سے یہ نہ ارشاد ہوا کہ خبر مجھے کیوں نہ ہوجاتی سبب نہ اپنی فراست کو پیش فرمایا نہ اپنے کشف و اشراق کو۔ فرمایا تو ایک عبد کامل کی طرح یہ فرمایا کہ اسی خدائے علیم وخبیر نے مجھے خبر پہنچا دی ــــ ضمناً اس حکیمانہ طرز جواب سے بیوی صاحبان کی توبہ و رجوع کی توقع بھی زیادہ پیدا ہوگئی۔

متصل آیت میں خطاب ان دونوں بیوی صاحبوں سے ہے جن سے آپؐ کے قلب کو وقتی اذیت پہونچی تھی۔

وان تتوبا الی اللہ فقد صغت	اے دونوں بیو اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرو
قلوبکما وان تظاھرا علیہ فان اللہ	تو تمھارے دل تو اس طرف مائل ہو ہی رہے ہیں
ھو مولاہ وجبرئیل و صالح	اور اگر تم نبی کے مقابلے میں کارروائیاں کرتی
المومنین والملائکۃ بعد ذالک	رہیں تو نبی کا رفیق تو اللہ ہے اور جبرئیل ہیں
ظھیر (ایضاً)	اور نیک مسلمان ہیں اور انکے علاوہ فرشتے مددگار ہیں

آیت کے سلسلہ میں یہ تفسیری نکتہ ذہن نشین رہے کہ بیوی صاحبوں میں سے ہر ایک کا یہ خیال کہ آپؐ کا دل دوسروں کے بجائے خود انھیں کی طرف رہے۔ ایک امر طبعی تھا جس پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جب اس کا مبنیٰ اور منشا احب رسولؐ وحب شوہر تھا۔ جب تو کوئی دور کی بھی قباحت اس میں باقی نہیں رہتی۔ لیکن اس کے ساتھ اس کا دوسرا پہلو دوسروں کے حقوق کا اتلاف بھی تھا۔ اس سے توبہ کرانا ان کے حق میں ضروری قرار پاگیا۔

آیت سے حیات مبارک کے اس پہلو پر بھی روشنی پڑگئی کہ جس کی تائید و نصرت پر اللہ تعالیٰ خود موجود ہو اور اس کے فرشتے اور صالحین امت بھی،

اسے کسی کی سازش نقصان ہی کیا پہونچا سکتی ہے!

قصہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے تیسری مفصل آیت بھی ملاحظہ ہو۔

عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکن مسلمات، مومنات قانتات تائبات، عابدات سائحات ثیبات وابکاراً (ایضاً)

اور اگر نبیؐ تمھیں طلاق دیدیں ان کا پروردگار تمھارے عوض تم سے بہتر بی بیاں انھیں دیدے گا اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں شوہر دیدہ بھی اور کنواریاں بھی۔

اس سے پہلی تعلیم تو یہ ملی کہ ایسی اکمل و مکمل شخصیت رکھنے والے کو موجودہ بیویوں کی محتاجی ہی کیا ہوسکتی ہے۔ وہ جب چاہے ان کو طلاق دیدے۔ اللہ اس کے لئے بہترین ازواج کا خود انتظام فرمادے گا۔ جو اپنے صفات و سیرت کے لحاظ سے ہر طرح اس کی زوجیت کی اہل ہوں گی ——— اہلیت کے جزو اسب آیت میں گنا بھی دئے ہیں۔

اور اس حقیقت کے ساتھ جب یہ مقدمہ بھی ملا لیجئے۔ کہ طلاق کی نوبت کسی ایک کے لئے بھی نہ آئی۔ تو نتیجہ کھلا ہوا یہ نکلتا ہے کہ ساری ہی ازواج مطہراتؓ اس معیار اہلیت پر پوری اتریں اور اس پر قائم رہیں۔ گویا ازواج مطہرات کے رتبۂ عصمت و عظمت پر مہر شہادت خود قرآن مجید نے ثبت کردی۔

جن بیوی صاحبہ کی طرف اشارۂ آیۂ کریمہ میں بعض ازواجہ کے تحت میں آیا ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں میں ان کا نام حفصہؓ بنت عمر الخطاب آیا ہے۔ اور جن دوسری بیوی سے وہ راز کی بات کہی گئی تھی ان سے مراد

حضرت عائشہ صدیقہؓ لی گئی ہیں۔

اس ساری تفصیل سے روشنی نہ صرف اس سادہ حقیقت پر پڑگئی کہ آپؐ کے ازواج مبارک متعدد تھیں جیسا کہ اکثر انبیاء سابقین کا دستور رہا ہے۔ بلکہ اہلبیت کی فطری بشری کمزوریاں، اور اسکے باوجود اُن کا اعلا معیار کردار، اور ان کے ساتھ حضورؐ کا حسن معاشرت۔ یہ سب بھی روشنی میں آگئے۔

یہ بیوی صاحبان اس منزلت و مرتبت کے بعد قدرۃً اس کی مستحق اور زیادہ ٹھہریں کہ ساری امت کی مائیں قرار پائیں چنانچہ ارشاد ہوا۔

وازواجہ اُمھاتھم — اور ان (رسول) کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں۔ (الاحزاب ع ۱)

اور جب یہ امت بھر کی مائیں ٹھہر گئیں تو یہ نتیجہ خود بخود لازم آگیا کہ ان کے ساتھ اُمت کے کسی مرد کا نکاح بھی حضور صلعم کے بعد جائز نہ ہوگا لیکن مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر علاوہ اس عمومی نتیجہ کے، اس کی ہدایت اُمت کو براہ راست مخاطب کرکے بھی فرما دی گئی۔

وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً ان ذالکم کان عند اللہ عظیماً — اور تمھارے لئے درست نہیں کہ تم رسول اللہ کو اذیت پہونچاؤ اور نہ یہ کہ اُن کے بعد کبھی بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بیجا بات ہے۔ (الاحزاب ع ۷)

اور رسولؐ کی عین حیات بھی یہ ادب و قاعدہ اُمت پر اُن محترم بیوی صاحبان

کے لئے نافذ کر دیا گیا تھا۔

واذا سئلتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء الحجاب ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن (ایضاً)	جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو یہ بات ایک عمدہ ذریعہ ہو تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے کا۔

ازواج مطہرات کے ساتھ رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں (بصیغۂ جمع) بھی تھیں جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ارشاد ہوا ہے۔

یا ایھا النبی قل لازواجك وبناتك (الاحزاب ع ۸)	اے نبی کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں سے۔

بنات یعنی دو سے زائد صاحبزادیوں کا وجود تو اتنے سے ثابت ہی ہو گیا اب دوبارہ یہ آیت سنئے کہ جس سے معلوم ہو گا کہ حجاب ہی کے سلسلہ میں ایک اور قانون اُمہات مومنین اور رسولؐ کی صاحبزادیوں کے لئے تھا۔ اور وہ اُمت کی ہر خاتون تک وسیع کر دیا گیا۔ ارشاد ہوا ہے۔

یا ایھا النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔ (ایضاً)	اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور (دوسرے) مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں تھوڑی سی نیچی کر لیا کریں۔

یہ اپنے اوپر اپنی چادریں نیچی کر لینے کا حکم وہی ہے جسے ہمارے ملک میں اور ہماری زبان میں گھونگھٹ نکال لینا کہتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کے دائرے میں آپ کے لئے قدرۃً بعض خصوصی وسعتیں

اور رعایتیں تھیں جو عام افراد امت کو حاصل نہ تھیں۔ چنانچہ ایک ارشاد یہ ملتا ہے

یا ایھا النبی انا احللنا لك ازواجك التی آتیت اجورھن وما ملکت یمینك مما افاء اللہ علیك وبنات عمك وبنات عماتك وبنات خالك وبنات خالاتك التی ھاجرن معك وامرأۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لك من دون المومنین

(الاحزاب ع ۶)

اے نبی ہم نے آپ کے لئے یہ بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنھیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے۔ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں۔ اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومنہ بھی جو اپنے کو (بلا عوض) نبی کو دیدے۔ بشرطیکہ نبی بھی اس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ حکم مخصوص ہے آپ کے لئے۔ بخلاف (عام) مومنین کے۔

احکام سے قطع نظر آیت کے الفاظ سے رسول اللہ کے خاندان کے کتنے افراد کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ آپ کے چچا اور ماموں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کی بیٹیاں۔ ان سب کے وجود کی شہادت تو آیۂ کریمہ سے مل ہی گئی ——— رہیں آپ کے منصب خصوصی اور مرتبۂ امتیازی کے لحاظ سے آپ کے لئے رعایتیں تو انھیں کے سلسلہ میں آیت کا یہ حکم بھی سن لیا جائے، کہ ازواج کے درمیان شب باشی یا باری کی بھی پابندی آپ پر نہ تھی۔

ترجی من تشاء منھن وتؤی الیك من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت

آپ ان (بیویوں) میں جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں

فلا جناح علیک ذالک ادنی ان تقر اعینھن ولا یحزن و یرضین بما اتیتھن کلھن، واللہ یعلم ما فی قلوبکم وکان اللہ علیماً حلیماً (ایضاً)

اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا ہے، ان میں سے کسی کو پھر طلب کر لیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں اس انتظام میں زیادہ توقع ہو اس کی کہ اُن (بیویوں) کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ آزردہ نہ ہوں گی اور اس پر راضی رہیں گی جو کچھ آپ ان کو دیدیں۔ اور اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے۔ بڑا حلم والا ہے

بیان رسولؐ اللہ کے لئے ازدواجی رخصتوں اور رعایتوں کا ہو رہا تھا لیکن ضمناً اس آیت سے یہ مضمون بھی نکل آیا کہ خود بارگاہ الٰہی میں ان محترم خواتین کی خاطر کتنی عزیز تھی! —— وسط آیت کے الفاظ پہلے اگر دوا دوی میں پوری طرح خیال میں نہ رہے ہوں تو اب دوبارہ اُن کا استحضار کر لیا جائے۔ ذلک ادنیٰ ان تقر اعینھن ولا یحزن۔ یہ انتظامات اس لئے کہ اس سے اُن محترمات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور انھیں آزردگی نہ پیدا ہونے پائے! اللہ اللہ کس درجہ اہتمام اپنے رسول ہی کا نہیں اُن کے حرم محترم کی بھی دلجوئی کا ہے! اور اس صورت حال کا یہ لازمی نتیجہ تو ہونا ہی تھا۔ کہ یرضین بما اتیتھن کلھن یہ سب راضی رہیں گی اس پر آپ انھیں جو کچھ دیدیں۔

لیکن یہ نہ خیال کر لیا جائے کہ رسولؐ کے لئے ازدواجی زندگی میں بس وسعتیں اور رعایتیں ہی تھیں نہیں۔ بلکہ جہاں ایک طرف یہ گنجائشیں تھیں وہیں دوسری طرف خصوصی پابندیاں بھی تھیں۔ چنانچہ آپؐ کے لئے جائز نہ رہا کہ نزول آیت

کے وقت جو ازواج مطہرات موجود تھیں نہیں بدل کر کسی اور عقد میں لے آئیں یا کوئی اور نیا عقد فرمائیں۔

لا یحل لک النساء من بعد و لا ان تبدل بھن من ازواج و لو اعجبک حسنھن الا ما ملکت یمینک (الاحزاب ع ۶)	آپ کے لئے ان عورتوں کے بعد کوئی اور عورت جائز نہیں اور نہ یہ جائز کہ ان بیویوں کے بجائے دوسری کر لیں چاہے آپ کو اُن کا حسن بھلا ہی لگے مگر ہاں بجز ان کے جو آپ کی باندیاں ہیں'

انسان بہر حال آپؐ بھی تھے تمام بشری جذبات و میلانات کے ساتھ اس لئے کسی حسین صورت کی طرف میلان طبع ہو جانا ذرا بھی عبدیت و رسالت کے منافی نہیں، اور فطرت بشری کے عین مطابق ہے۔ لیکن اس طبعی مقتضا پر عمل کر دینے سے آپ کو بالکل روک دیا گیا۔ اور جو آزادی ساری اُمت کے لئے تھی وہ آپ کی ذات کے لئے باقی نہ رہی۔

افترا پردازوں اور بدنفسوں سے دنیا کا کوئی بھی ماحول خالی نہیں خواہ اپنی عمومی حیثیت سے وہ کیسا ہی پاکیزہ و بلند ہو۔ رسول اللہؐ کی ازدواجی زندگی میں بھی ایک ایسا سخت و ناخوشگوار موقع پیش آ گیا جس نے بعد کو اُمت والوں اور اُمت والیوں کے لئے بڑی سے بڑی بدنامی کے بوجھ کو بھی اٹھا لینا آسان کر دیا۔ ہوا یہ کہ چند شر پسند منافقوں نے حضورؐ کی محبوب ترین زوجۂ مبارک حضرت عائشہؓ پر اُن کے ایک تنہا سفر کو آڑ بنا کر بغیر کسی عینی یا سمعی شہادت کے بھی محض وہم و بدگمانی کو کام میں لا کر ایک بڑا گندہ الزام تراش دیا۔ اور اکا دُکا سادہ لوح مسلمان بھی اس طوفان بے تمیزی میں ان کی دیکھا دیکھی شریک ہو گئے۔ الزام تھا اس نوعیت کا کہ حضورؐ انور تو خیر غیرت مجسم

ہی تھے دنیا کا کوئی غیرت مند شوہر برداشت نہ کر سکتا. قرآن نے اس واقعہ کا نام ہی الافک یعنی بہتان یا طوفان رکھدیا ہے. اور اسکو شروع ہی عتاب سے کیا ہے۔

ان الذین جاء وا بالافک عصبۃ منکم لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم لکل امرئ منھم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم (النور ع ۲)	جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کر رکھا ہے وہ تم میں کا ایک گروہ ہے. تم اس چیز کو اپنے حق میں برا مت سمجھو بلکہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کے لئے وہی وبال ہے جتنا گناہ اس نے کیا تھا اور اس میں جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے عذاب بھی بڑا ہے۔

یوں ہی کسی مومنہ کی عزت واکرام پر حملہ کرنا کیا کم ہے چہ جائیکہ اس کا ہدف مومنات صالحات کی سردار عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی خاتون کو بننا پڑا ہو. ایسے بدنفس افترا پردازوں کے سروں پر تو ہر عذاب آ کر ٹوٹنا تھا. مومنین کی یہ سادہ لوحی بھی قابل گرفت ٹھہری کہ ایسے کھلے ہوئے بہتان کو سنتے ہی اس کی کھلی ہوئی تردید کیوں نہ کر دی۔

لولا اذ سمعتموہ ظن المومنین والمومنات بانفسھم خیرا وقالوا ھذا افک مبین	جب تم لوگوں نے یہ چرچا سنا تھا تو مومنین و مومنات نے اپنے والوں سے گمان نیک کیوں نہ رکھا اور کیوں نہ کہدیا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

ایسے بہتان کو سن کر اس کے متعلق شک و تذبذب میں پڑ جانا اور بے خیالی میں مشغلے کے طور پر اس کا ایک دوسرے سے چرچا کرتے رہنا یہ سب ایک صالح معاشرے کے لئے سخت قابل مواخذہ تھا۔

ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ	اور اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم شامل حال نہ ہوتا

فی الدنیا والاٰخرۃ لمسکم فی ما افضتم فیہ عذاب عظیم اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم (ایضاً)

دنیا میں اور آخرت میں تو جس مشغلہ میں تم پڑے ہوئے تھے اس پر تمہارے اوپر عذاب سخت آپڑا ہوتا یہ وہ وقت تھا جب تم اپنی زبانوں سے اسے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکال رہے تھے جس کی تم کو مطلق تحقیق نہ تھی اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی۔

تاکید و اہتمام کے ساتھ دوبارہ ارشاد ہوا ہے۔

ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم (ایضاً)

اور جس وقت تم نے یہ چرچا سنا تھا تو اسی وقت کیوں نہ بول اٹھے کہ ہماری مجال نہیں جو ایسی بات زبان سے بھی نکالیں معاذ اللہ! یہ تو ایک عظیم بہتان ہے۔

ان آیات کو اور واقعہ سے متعلق ان تفصیلی وجزئی احکام عتاب کو پڑھ کر اندازہ کیجئے کہ قرآن مجید کے نازل کرنے والے کا اپنے رسولؐ ہی کا نہیں رسولؐ کے گھر والوں کا بھی احترام کس درجہ ملحوظ تھا۔ اور یہیں سے ان نادان معاندین کی بات کا بھی جواب نکل آتا ہے جنھوں نے اعتراضاً کہا ہو کہ قرآن جیسی کتاب ہدایت کو آخر پیمبر کی ذاتی خانگی زندگی کے جزئیات سے کیا واسطہ تھا۔ معترض بیچارہ۔ ع

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

اُسے کیا خبر کہ محمد عربیؐ کی زندگی ایک شخص اور ایک ذات کی تھی ہی کب ؟

یہ زندگی تو سارے عالم کے لئے نمونہ اور مثال تھی۔ ہر ملک ہر قوم، ہر زمانہ کے افراد واشخاص کے لئے سبق اس کے اندر موجود ہیں اور بشری زندگی میں جتنے بھی تکوینی مرحلے طبعی اور عمومی طور پر پیش آسکتے ہیں، سب سے اس ذات اقدس کا گزر قصداً کرایا گیا تھا۔ تاکہ وہ آفاق گیر نمونہ کا کام دے۔ اور ایک ایک فرد بشر اپنے ظرف کے لحاظ سے اس سے استفادہ کر سکے۔ تو سوال اب یہ نہ کیجئے۔ کہ اتنی تفصیلات قرآن مجید میں کیوں بیان ہوئیں۔ بلکہ اگر کیجئے، تو یہ کہ بیان ان سے زائد تفصیلات کا کیوں نہ ہوا؟

لاولدی عرب میں بھی اکثر جاہلی قوموں کی طرح ایک بڑا عیب سمجھی جاتی تھی۔ اور معاندین نے آپؐ پر اس سلسلے میں آوازے کسنے شروع بھی کر دئے تھے قرآن مجید نے اس کے جواب میں زور کے ساتھ کہا۔

ان شانئک ھو الابتر ۔۔۔ بے نشان رہ جانے والا تو آپ کا معاند ہی ہے۔
(الکوثر)

یعنی بے اولاد رہ جانے والے تو آپؐ نہیں آپ کے دشمن ہی ہیں۔ اور غلط لئے کوثر وغیرہ سے قطع نظر۔ ایک اور بھی علم اس سے یہ حاصل ہوا کہ رسول اللہؐ صاحب اولاد تھے۔ اور آپ کا صاحب اولاد ہونا منکروں معاندوں کے مشاہدہ میں آتا رہا۔ لیکن ساتھ ہی قرآن نے یہ بھی سنا دیا ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ۔۔۔ محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔
(الاحزاب ع ۵)

اس سے حضورؐ کی بالغ اولاد نرینہ کی نفی ہو گئی اور اہل سیر کا بیان بھی یہی ہے کہ

حضورؐ کے صاحبزادوں میں سے کوئی بھی عہد شیر خوارگی سے آگے نہ بڑھا اور جب کوئی صاحبزادے نہ رہے تو اولاد میں بجز صاحبزادیوں کے اور رہ کون جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حضورؐ کی بنات (صاحبزادیوں) کا ذکر آیا ہے اور وہ آیت ابھی چند منٹ پہلے آپ کے سامنے پیش ہو بھی چکی۔ اور دوسری جگہ بنات کے بجائے "نساء" کا لفظ آیا ہے وہ حوالہ بھی آپ کی سماعت میں آچکا اور اہل سیر کے اس بیان سے تو سب ہی واقف ہوں گے کہ حضورؐ کی چار صاحبزادیوں میں سے ایک کا سلسلۂ نسل ماشاء اللہ خوب پھیلا اور بڑا ہی بابرکت ثابت ہوا۔

اختتامیہ

خطباتی معروضات ختم ہو گئے مقدمہ یا افتتاحیہ میں جو کچھ عرض کرنا تھا اب اختتامیہ میں عرض کر رہا ہوں۔ ان لکچروں کی تیاری کا جس وقت حکم ملا تھا، اپنی ناتجربہ کاری کی بنا پر مدت کافی ہی نہیں بلکہ اچھی خاصی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن جب کام کرنا شروع کیا اور قرآن مجید کا مطالعہ اس خاص مقصد سے بہ غور شروع کیا۔ تو نظر آیا کہ معلومات کا ایک دریا ابلتا ہوا اور امنڈتا ہوا سامنے ہے اور اس سمندر کو سمیٹ کر ایک مختصر و محدود مدت کے اندر کوزے میں بند کرنا۔ مجھ جیسے نا اہل فرد کی حد استطاعت سے باہر ہے۔ ساڑھے چھ ہزار قرآنی آیتوں میں سے اگر نصف نہیں تو ایک ثلث تو بہرحال ایسی ہیں کہ جن سے سیرۂ نبوی کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ضرور پڑتی ہے اب پچھتایا کہ مہلت اور مزید کیوں نہ مانگ لی۔ لیکن وقت اب پچھتانے کا بھی

گذر چکا تھا۔ جوں توں اور بڑی عجلت اور روا روی میں جو کچھ بھی بن پڑا بطور ما حضر پیش کر دیا گیا۔ ادھر حالات بھی متواتر ایسے پیش آتے گئے کہ کچھ تو اپنی علالت کچھ گھر والوں کی علالت کچھ دوسری ناگزیر مصروفیتوں نے وقت کا خاصا بڑا حصہ اپنی طرف لے لیا اور دو ایک ضروری عنوان جو رسول پاک کی مکی تعلیمات اور مدنی تعلیمات پر ہونے تھے یکسر کورے رہ گئے۔ کہیں کہیں شاید ایسا بھی ہوا ہے، کہ آیات قرآنی معرض بیان میں مکرر آ گئی ہیں۔ وجہ ظاہر ہے۔ ایک ہی آیت سے استخراج و استنباط کئی کئی مسئلوں کا ہو سکتا تھا۔ بہرحال ناظرین پاکیزہ اب فرو گذاشتوں اور خامیوں سے درگذر فرمائیں۔ خطبہ نویس کے بس میں تو بس اتنا ہی ہے کہ نظر ثانی کے وقت ہو سکے تو ان ضروری اوراق کا اضافہ کر دے اور جب اس مجموعہ کے طبع و اشاعت کی نوبت آئے تو تکمیل کسی نہ کسی حد تک تو ہو ہی جائے۔

ہر علمی اور تحقیقی کام میں ایک بڑا خوشگوار فرض اس میدان میں اپنے پیشروؤں کے شکریہ کا ہوتا ہے۔ لیکن اسے قسمت کی نارسائی کہئے یا جو کچھ کہ اپنے پیش رو اس کام میں بہت ہی کم میسر آ سکے۔ اصل اور بڑا ماخذ براہ راست کلام اللہ ہی رہا ہے پھر بھی جن بشری تصانیف سے استفادہ کی نوبت آئی ان کا ذکر منت پذیری کے ساتھ نہ کرنا بڑی ہی ناشکری کے مترادف ہوگا ترتیب وار ان کے نام عرض ہیں۔

(۱) قدامت زمانہ کے لحاظ سے نمبر اول پر عبدالملک ابن ہشامؒ (جن کا سال وفات غالباً ۲۱۸ھ ہے) کی سیرت رسول اللہ معروف بہ سیرت ابن ہشامؒ ہو اس مصنف نے سیرت نبوی کے اکثر حصوں خصوصاً حصہ مغازی میں آیات قرآنی کے تتبع کا التزام بڑی حد تک قائم رکھا ہے۔

(۲) قدیم کتابوں میں اس اعتبار سے نمبر دوم پر قاضی عیاض مالکی (جن کا سال وفات ۵۴۴ہجری ہے) کی مشہور کتاب الشفا بہ تعریف حقوق المصطفےٰ ہے۔ اس مصنف نے فضائل، خصائل و خصائص نبوی میں بھی آیات قرآنی سے اچھا خاصہ استشہاد کیا ہے۔

(۳) دورِ جدید کی کتابوں میں بلحاظ افادیت (جیساکہ اور بھی متعدد وجہات سے) نامور ترین کتاب شبلیؒ و سلیمانؒ کی ضخیم سیرۃ النبی ہے اسکے بعض حصوں میں خصوصاً فخر المتاخرین مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے آیات قرآنی سے استناد و استدلال کا اہتمام خصوصی رکھا گیا ہے۔

(۴) ترتیب زمانی کے لحاظ سے اس سے بھی مقدم کتاب مولانا عبدالشکور لکھنوی[۱] مدظلہ کی کتاب مختصر سیرت نبویہ ہے جس کا پورا نام سیرۃ الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع ہے کتاب مختصر ہے یعنی ۲۰×۲۶ تقطیع پر کل ۶۴ صفحوں کی ضخامت کی ہے پھر بھی بہت کام کی ہے یہ مولانا کی ابتدائی کتابوں میں سے ہے اور ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء کی چھپی ہوئی ہے۔ اردو میں بلکہ میری محدود نظر میں تو عربی میں بھی اس خصوصی موضوع پر تو یہی ایک کتاب ہے اور یہی وصف یکتائی مصنف کے تفرد امتیاز کے لئے کافی ہے کاش یہی کتاب اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد چھپتی! اب یہی نہیں کہ یہ کہیں ضخیم تر ہو کر نکلتی بلکہ ان خامیوں اور فروگذاشتوں سے بھی پاک ہوتی جو نو عمری اور نو مشقی میں ہر ایک قلم کے لئے لازمی سی ہیں۔

---

[۱] افسوس ہے کہ مولانا ۱۹۶۲ء میں وفات پاگئے۔

(۵) ان سب کے علاوہ ابھی چند سال ہوئے ۱۹۵۱ء میں ایک کتاب مختصر سیرت قرآنیہ کے عنوان سے ایک الہ آبادی ایم اے مقیم دہلی کے نام سے نکلی ہے اس کے نام سے بڑی توقعات قائم ہوتی ہیں۔ لیکن پڑھ کر اسی درجہ میں مایوسی بھی ہوتی ہے یہ ایک بہت ہی تنگ و محدود بلکہ غلط نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ اور آیات قرآنی کو جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اس سے ہر صاحب ایمان اور ہر طالب علم کا ذوق برا کرتا ہے۔

بہر حال ایک عالم و کامل سے نہیں ایک طالب علم اور ناقص سے ایک قلیل مدت کے اندر جو کچھ ممکن تھا خلق و خالق دونوں کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ وہ مولائے لطیف و کریم اگر اسے اپنے حسن قبول سے کسی ادنیٰ درجہ میں بھی نواز دے اور اجر میں اس سلسلہ مقالات کے بانی اور ساعی اور سامعین[۵] سب کو شریک کرلے تو اس کی بندہ نوازی سے ذرا بھی بعید نہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[۵] خصوصاً فضل العلماء ڈاکٹر عبد الحق کرنولی مرحوم و مغفور۔ اور فنڈ کی بانی خاتون مرحومہ کو

(جنوری ۱۹۵۵ء)